ماہنامہ
ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت

کرائم بیورو
کراچی

اگست
2025ء
قیمت: 200 روپے

آزادی اور قربانیوں کا خراج

ایران عرب ممالک کا اعتماد دوبارہ کیسے جیت رہا ہے؟

ہولوکاسٹ سے غزہ نسل کشی تک

کراچی کی مخدوش عمارتیں اور تعمیراتی مواد کا ناقص معیار

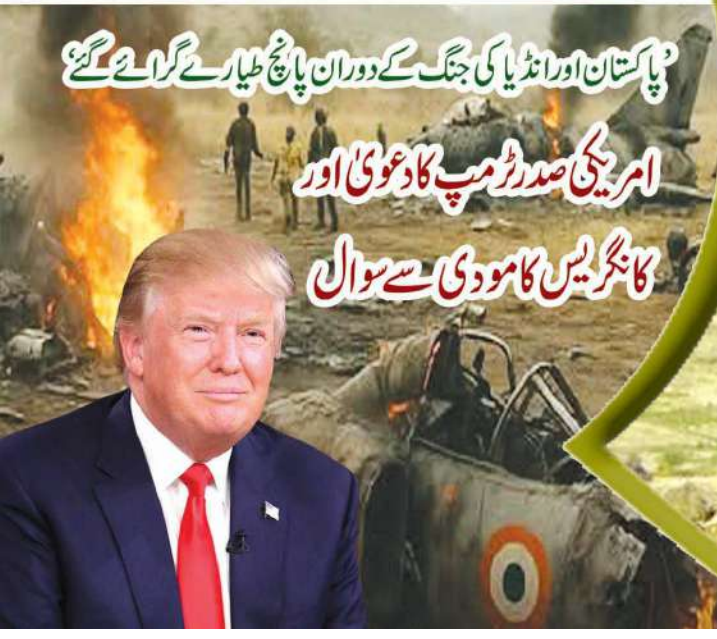

'پاکستان اور انڈیا کی جنگ کے دوران پانچ طیارے گرائے گئے'
امریکی صدر ٹرمپ کا دعویٰ اور کانگریس کا مودی سے سوال

حکومت سندھ کا خصوصی پروگرام ہیپاٹائٹس سے پاک سندھ

World Hepatitis Day 28 July

ہیپاٹائٹس کا عالمی دن

28 جولائی 2025

آئیں سندھ سے ہیپاٹائٹس کے خاتمے میں درپیش رکاوٹوں کو دور کریں

- مفت ٹیسٹ
- مفت علاج
- مفت ویکسین

صوبہ سندھ میں قائم کردہ 556 سے زائد ہیپاٹائٹس مراکز پر آئیں

جنسی تعلقات جیون ساتھی تک محدود رکھیں۔

خون لگوانے سے پہلے کسی مستند لیبارٹری سے ٹیسٹ کروا کر پھر لگوائیں۔

ٹیکے لگواتے وقت ہمیشہ نئی سرنج کا استعمال کریں۔

ناک اور کان چھیدواتے وقت ہمیشہ نئی سوئی کا استعمال کریں۔

بال کٹوائیں یا شیو کرائیں جراثیم سے پاک استرا استعمال کروائیں۔

دانتوں کے علاج و معالجے میں جراثیم سے پاک اوزار استعمال کریں۔

ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل (ہیپاٹائٹس پروگرام) کمیونیکیبل ڈزیز کنٹرول ونگ محکمۂ صحت، حکومت سندھ

مزید معلومات کیلئے: فون نمبر **022-2671693** پر رابطہ کریں

ماہنامہ
ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت

کرائم بیورو

کراچی

جلد نمبر 05 | اگست 2025ء | شمارہ نمبر 09

قیمت: 200 روپے

فرمان مصطفیٰ ﷺ

تم جہاں ہو اپنے دل میں اللہ کا خوف رکھو اور گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو کہ یہ نیکی اُس گناہ کو مٹا دے گی۔ (صحیح مسلم)

فرمان الہٰی

اور جو بھی اس کے پاس ایمان کی حالت میں حاضر ہوگا اور اس نے اعمال بھی نیک کئے ہوں گے اس کیلئے بلند و بالا درجے ہیں۔ (سورۃ طٰہٰ:75)

فہرست

آزادی اور قربانیوں کا خراج	05
پاکستان یوم آزادی	06-07
امریکی صدر ٹرمپ کا دعویٰ اور کانگریس کا مودی سے سوال	08-09
کراچی کی مخدوش عمارتیں اور تعمیراتی مواد کا ناقص معیار	10
برنس روڈ پر واقع عمارت میں غیر قانونی تعمیرات،	11
اسرائیل سے جنگ کے بعد ایران عرب ممالک کا اعتماد دوبارہ کیسے جیت رہا ہے؟	12-13
حمیرا اصغر کی پراسرار موت، کراچی کے پوش فلیٹ میں دفن راز	14-15
ہولوکاسٹ سے غزہ نسل کشی تک	16
ایف بی آر کے وہ نئے اختیارات جن پر کاروباری افراد فکرمند ہیں	17
اسلام آباد سے کراچی کا سفر صرف 4 گھنٹے میں	18
کراچی کی تنگ گلیوں میں کثیر المنزلہ مخدوش عمارتیں اور بگڑی کا نظام	19-20
167.51 روپے کا پٹرول آپ کی موٹر سائیکل اور کار کی ٹینکی تک پہنچتے پہنچتے 272.15 روپے فی لیٹر کیوں ہو جاتا ہے؟	21-22
الیکٹرک بائیک پر انقلابی سبسڈی کا اعلان	23
افغان ڈرائیوروں کا انوکھا حل۔۔ پانی بھر کر چلنے والی روف کولر ٹیکسی	24
بڑی پلیٹ، بڑا نوالہ؟ یا صرف دماغ کا دھوکہ	25
باپ ہوں۔۔۔ مجرم نہیں!	26

پبلشر فضیل امر نے خرم پرنٹنگ پریس پاکستان چوک سے چھپوا کر آفس نمبر 1، پاکستان ہاؤسنگ اتھارٹی قائدآباد ملیر سے شائع کیا

crimebeauru@gmail.com

چیف ایڈیٹ: شیخ حسین امر

ایڈیٹر: عرفان ساگر

ڈپٹی ایڈیٹر: مارشا امر

منیجنگ ایڈیٹر: معظمہ جٹ

ایڈیٹر انوسٹی گیشن: شکیل ناچ

مجلس ادارت:
نیاز کھوکھر، راؤ جمیل، آغا خالد، ضیاء الرحمٰن، ڈاکٹر جعفر عباس، سمیر قریشی، ملیحہ عمران (انگلینڈ)، غازی صلاح الدین، فاروق مرزا (امریکہ)، عبدالوحید جیلانی، افضل سندھو، کامران خان، اسداللہ خان، طارق پٹھان

انچارج انوسٹی گیشن ٹیم: زاہد شاہ

چیف رپورٹر: انور سلطان (0300 2056305)

کرائم رپورٹر:
عمیر خان، نعمان صافی، عبداللہ گدی، سہیل آرائیں، سلطان چاکی سومرو احسن کندی (فیصل آباد)

چیف فوٹو گرافر: عبدالستار قریشی

بیورو چیف:
نوید میو (اسلام آباد) سعدیہ حق (لاہور)
چوہدری مستقیم (چنیوٹ) عبدالغفور سروہی (حیدرآباد)

ڈسٹرکٹ رپورٹرز:
ابرار احمد (سوات) مراد عباسی (پنو عاقل)
شہمیر قریشی (ٹھٹھہ) ساجد علی شاہ (چنیوٹ)

انچارج سندھ ڈیسک: سید انعام شاہ

قانونی مشیران:
سید عثمان الحسن ایڈووکیٹ، امجد حسین قریشی ایڈووکیٹ
امان اللہ یوسفزئی ایڈووکیٹ، نظر اقبال (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

ماہنامہ
کرائم بیورو
کراچی
باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت ABC Certified

آج کے جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس سوشل میڈیا کے دور میں ہم تحقیقاتی صحافت کو زندہ رکھنے کا عزم لئے ایک ماہنامہ میگزین کا اجراء کر چکے ہیں جس میں سینئر اور تحقیقی صحافیوں پر مشتمل تجربہ کار ٹیم کی مجلس ادارت ہے۔ میگزین کا فوکس کرائم کے شعبے سے جڑے تحقیقاتی مضامین سے ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ میگزین کا ہر شمارہ ہر مہینے کی ایک دستاویز کی حیثیت کا حامل ہو۔

کراچی، اسلام آباد، لاہور، حیدرآباد، فیصل آباد، سکھر، پشاور، کوئٹہ سمیت تمام چھوٹے بڑے شہروں سے بیورو چیفس اور ضلعی نمائندگان کے تحقیقاتی مضامین اور رپورٹس آپ کو نہ صرف چونکائیں گی بلکہ ارباب اختیار کو ایکشن میں آنے پر مجبور بھی کریں گی۔

ہماری ٹیم میں شامل ہونے اور میگزین کا حصہ بننے کیلئے رابطہ کریں

واٹس ایپ نمبر: 0300 2056305

آزادی اور قربانیوں کا خراج

تحریر:
مارشا امر (ڈپٹی ایڈیٹر)

یاد کرو وہ دن، جب یہ زمین لہو سے تر ہو رہی تھی۔
یاد کرو وہ رات، جب ماؤں نے اپنے لختِ جگر وطن کی خاک پہ نچھاور کر دیئے۔
یاد کرو وہ لمحے، جب ایک بوڑھا باپ اپنی جوان بیٹی کو چھپا کر قافلے کے پیچھے روتا ہوا آیا، فقط اس لئے کہ عزتیں نیلام نہ ہوں، ایمان سلامت رہے اور کوئی پاکستانی کہلانے سے محروم نہ رہ جائے۔
ہاں ... یہی وہ چودہ اگست ہے، جس کی پیشانی پہ شہیدوں کا خون لکھا گیا۔
اور جس کے دامن میں ہجرت کی تکلیفیں چھپی ہیں۔
یہ کوئی محض یومِ آزادی نہیں۔
یہ وہ نوحہ ہے جو ہماری ماؤں نے اپنے سہاگوں پر پڑھا، وہ آہ ہے جو بہنوں نے اپنے بھائیوں کے کٹے ہوئے سروں پر کی۔
یہ وہ آزادی ہے جس کے لئے زمین نے اپنے سینے میں لاکھوں لاشیں دفنائیں۔
اور آسمان نے گواہی دی کہ یہ قوم نعرہ تکبیر کے سائے میں بسنے کی حق دار ہے۔
کسے یاد نہیں وہ لالہ زار بستیاں، جو چند لمحوں میں اجاڑ دی گئیں؟
وہ ہنستے کھیلتے بچے جن کے چہروں پر خنجر پھیر دیئے گئے؟
وہ مائیں، جنہوں نے دودھ پیتے بچوں کو اپنے سے الگ کر کے خالی ہاتھ واہگہ پار کیا؟
کون بھلا سکا ہے وہ دل دہلا دینے والے قافلے جو کٹے پھٹے، لٹے پٹے، مگر "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگاتے، اس پاک سرزمین کی طرف بڑھ رہے تھے؟

اے پاک وطن!
تو فقط ایک زمین کا ٹکڑا نہیں، تو ایک خواب ہے۔
قائد کے وعدے کی تعبیر ہے، اقبال کی فکر کا چراغ ہے اور ان گنت شہیدوں کے لہو کی مہک ہے۔
تیری ہر اینٹ میں کسی ماں کا دل دھڑکتا ہے۔
تیری ہر گلی میں کسی بیٹی کا آنچل لہراتا ہے۔
تیرا ہر پرچم کسی شہید کے کفن کا ٹکڑا ہے۔
تو قائم ہے کیونکہ قربانی دی گئی،
تو باقی ہے کیونکہ صبر کیا گیا۔
اور تو ان شاء اللہ ہمیشہ رہے گا، کیونکہ تجھے عشق سے حاصل کیا گیا۔
پس اے اہلِ وطن!
جب بھی 14 اگست کا سورج طلوع ہو، تو سجدہ شکر بجالاؤ۔
اپنے بچوں کو بتاؤ کہ یہ وطن تمہیں وراثت میں نہیں، امانت میں ملا ہے۔
اسے چاہنا فقط جذبات نہیں، فرض ہے۔
اس کی حفاظت فقط فوج کا نہیں، ہر فردِ ملت کا حق ہے۔
پاکستان نہ ہوتا، تو ہم نہ ہوتے۔
یہ فقط چودہ اگست نہیں ... یہ ایک قوم کی آہوں، سسکیوں، دعاؤں اور شہادتوں کا لہولہان ترانہ ہے۔
اللہ کریم پاکستان کا نگہبان ہو،
آمین۔

پاکستان یوم آزادی

یوم آزادی، جو ہر سال 14 اگست کو منایا جاتا ہے، پاکستان میں ایک قومی تعطیل ہے۔ یہ دن اس وقت کی یاد دلاتا ہے جب پاکستان نے برطانیہ سے آزادی حاصل کی اور 14 اور 15 اگست 1947 کے درمیان برطانوی راج کے خاتمے کے بعد ایک خودمختار ریاست قرار پایا۔ آزادی کے وقت، پاکستان نے بادشاہ جارج ششم کو برقرار رکھا اور 1952 کے بعد ملکہ الزبتھ دوم کو ریاست کا سربراہ رکھا، یہاں تک کہ 1956 میں جمہوریہ میں تبدیل ہو گیا۔ یہ قوم پاکستان تحریک کے نتیجے میں وجود میں آئی، جس کا مقصد برطانوی ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں میں ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام تھا۔ یہ تحریک آل انڈیا مسلم لیگ کی قیادت میں محمد علی جناح کی سربراہی میں چلائی گئی۔ یہ واقعہ انڈین انڈیپینڈنس ایکٹ 1947 کے تحت پیش آیا جس کے تحت برطانوی راج نے ڈومینین آف پاکستان کو آزادی دی، جس میں مغربی پاکستان (موجودہ پاکستان) اور مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) شامل تھے۔ اس سال آزادی کا دن اسلامی کیلنڈر کے 27 رمضان کو آیا، جس کی شام کو لیلۃ القدر کی پانچ راتوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے، جو مسلمانوں کے لیے مقدس ہے۔

تاریخ

پاکستان کے موجودہ علاقے، قیام پاکستان سے قبل، تاریخی طور پر انیسویں صدی کے بیشتر حصے میں برطانوی ہندوستانی سلطنت کا حصہ تھے۔ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے 17ویں صدی میں نوآبادیاتی ہندوستان میں اپنی تجارت شروع کی، اور 1757ء میں جنگ پلاسی جیتنے کے بعد کمپنی راج لاگو کیا۔ 1857 کی ہندوستانی بغاوت کے بعد، 1858 کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت برطانوی تاج نے ہندوستانی برصغیر کے بیشتر حصے پر براہ راست کنٹرول سنبھال لیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ 1906 میں ڈھاکہ میں آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے ذریعہ قائم کی گئی، جو 1905 میں بنگال کی تقسیم کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات کے تناظر میں تھی اور اس پارٹی کا مقصد ایک علاحدہ مسلم ریاست کا قیام تھا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد کا دور برطانوی اصلاحات جیسے کہ مونٹیگو-چیمسفورڈ اصلاحات سے نشان زد تھا، لیکن اس نے جابرانہ رولٹ ایکٹ کے نفاذ اور ہندوستانی کارکنوں کی طرف سے خودحکمرانی کے لیے سخت مطالبات بھی دیکھے۔ اس دور کی وسیع پیمانے پر بے اطمینانی نے عدم تعاون اور سول نافرمانی کی ملک گیر غیر متشدد تحریکوں کو جنم دیا۔ جنوبی ایشیا کے شمال مغربی علاقوں میں ایک علاحدہ مسلم ریاست کا خیال علامہ اقبال نے دسمبر 1930 میں مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے اپنی تقریر میں پیش کی۔ تین سال بعد، چوہدری رحمت علی نے ایک اعلان میں "پاکستان" کا نام ایک علاحدہ ریاست کے طور پر تجویز کیا، جو ایک مخفف کی شکل میں تھا۔ اس میں پنجاب، افغانیا (سابقہ شمال مغربی سرحدی صوبہ)، کشمیر، سندھ اور بلوچستان کے پانچ "شمالی یونٹ" شامل ہونے تھے، اقبال کی طرح، بنگال کو رحمت علی کی تجویز میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔

1940 کی دہائی میں، جب ہندوستان کی آزادی کی تحریک شدت اختیار کر گئی، آل انڈیا مسلم لیگ کی قیادت میں مسلم قوم پرستی کا عروج ہوا، جس کے سب سے نمایاں رہنما محمد علی جناح تھے: طویل عرصے سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جذبات شدت اختیار کر رہے تھے۔ برطانوی ہندوستان میں مسلم آبادی کے مفادات کو محفوظ بنانے کے لیے ایک سیاسی جماعت ہونے کے ناطے، مسلم لیگ نے 1940 کی دہائی میں ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں فیصلہ کن کردار ادا کیا اور جنوبی ایشیا میں ایک مسلم ریاست کے طور پر پاکستان کے قیام کے پیچھے محرک قوت بن گئی۔ 22-24 مارچ 1940 کو آل انڈیا مسلم لیگ کے تین روزہ عام اجلاس

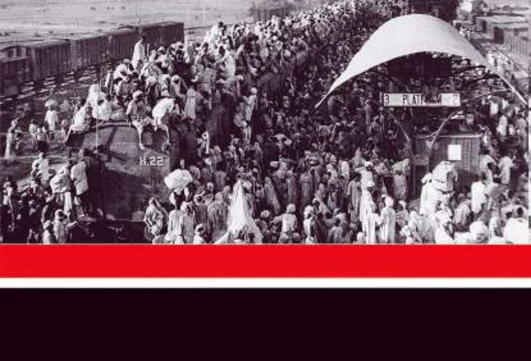

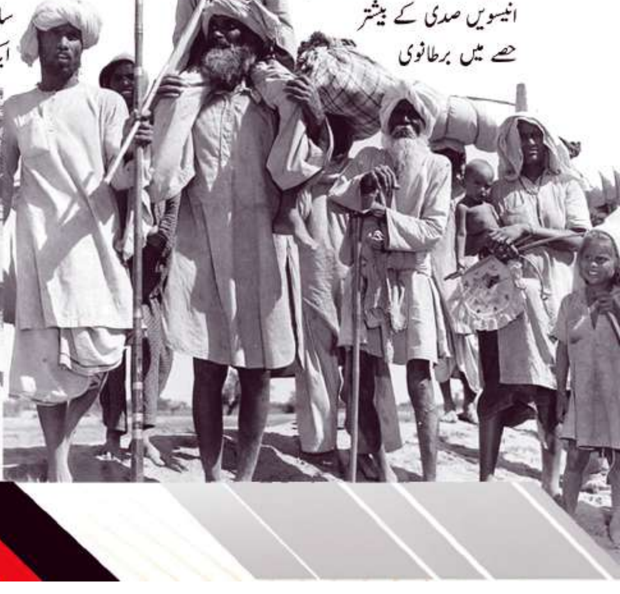

کے دوران، ایک باضابطہ سیاسی بیان پیش کیا گیا، جسے قرارداد لاہور کے نام سے جانا جاتا ہے، جس میں مسلمانوں کے لیے ایک آزاد ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا گیا۔ 1956 میں، 23 مارچ وہ تاریخ بھی بن گئی جب پاکستان ایک ڈومینین سے جمہوریہ میں منتقل ہوا اور اسے یوم پاکستان کے نام سے جانا جاتا۔

آزادی

1946 میں، برطانیہ کی لیبر حکومت، حالیہ واقعات جیسے دوسری جنگ عظیم اور متعدد فسادات سے تھک چکی تھی، نے محسوس کیا کہ اس کے پاس نہ تو گھر میں مینڈیٹ ہے، نہ بین الاقوامی حمایت اور نہ برطانوی ہندوستانی فوج کی قابل اعتماد حمایت ہے کہ وہ ایک بڑھتی ہوئی بے چین

برطانوی ہندوستان پر قابو پانے کے لیے اپنا کنٹرول جاری رکھ سکے۔ مقامی افواج کی بڑھتی ہوئی بغاوتی ہندوستان پر اپنا کنٹرول جاری رکھنے کی قابل اعتمادیت کم ہوگئی اور اس لیے حکومت نے ہندوستانی برصغیر پر برطانوی حکمرانی ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ 1946 میں، انڈین نیشنل کانگریس، جو ایک سیکولر پارٹی تھی، نے ایک واحد ریاست کا مطالبہ کیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ، جو واحد ریاست کے خیال سے متفق نہیں تھی، نے متبادل کے طور پر ایک علاحدہ پاکستان کے خیال پر زور دیا۔ 1946 میں ہندوستان کے لیے کابینہ مشن بھیجا گیا تاکہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی جا سکے، جس نے مقامی حکومتوں کو بہت زیادہ اختیارات دینے والی ایک غیر مرکزی ریاست کی تجویز پیش کی، لیکن اسے دونوں جماعتوں نے مسترد کر دیا اور اس کے نتیجے میں جنوبی ایشیا میں متعدد فسادات ہوئے۔

آخر کار، فروری 1947 میں، وزیر اعظم کلیمنٹ ایٹلی نے اعلان کیا کہ برطانوی حکومت جون 1948 تک برطانوی ہندوستان کو مکمل خود حکمرانی دے گی۔ 3 جون 1947 کو، برطانوی حکومت نے اعلان کیا کہ برطانوی ہندوستان کو دو آزاد ریاستوں میں تقسیم کرنے کے اصول کو قبول کر لیا گیا ہے۔ جانشین حکومتوں کو ڈومینین کا درجہ دیا جائے گا اور انھیں برطانوی دولت مشترکہ سے علیحدگی کا حق حاصل ہوگا۔ وائسرائے ماؤنٹ بیٹن نے 15 اگست، جو دوسری جنگ عظیم میں جاپان کی ہتھیار ڈالنے کی دوسری سالگرہ تھی، کو اقتدار کی منتقلی کی تاریخ کے طور پر منتخب کیا۔ انھوں نے 14 اگست کو پاکستان کو اقتدار کی منتقلی کی تقریب کی تاریخ کے طور پر منتخب کیا کیونکہ وہ دونوں ہندوستان اور پاکستان کی تقریبات میں شرکت کرنا چاہتے تھے۔

1947 کا انڈین انڈیپنڈنس ایکٹ (١٠ اور ١١ جیو٦c. ٣٠) جو برطانیہ کی پارلیمنٹ نے منظور کیا، نے برطانوی ہندوستان کو دو نئی آزاد ریاستوں میں تقسیم کر دیا؛ ڈومینین آف انڈیا (جو بعد میں جمہوریہ بھارت بن گیا) اور ڈومینین آف پاکستان (جو بعد میں اسلامی جمہوریہ پاکستان بن گیا)۔ اس ایکٹ نے بنگال اور پنجاب کے صوبوں کی دونوں ممالک کے درمیان تقسیم، گورنر جنرل کے دفتر کے قیام، متعلقہ آئین ساز اسمبلیوں کو مکمل قانون سازی کا اختیار دینے اور دونوں نئے ممالک کے درمیان مشترکہ جائداد کی تقسیم کے لیے ایک طریقہ کار فراہم کیا۔ یہ ایکٹ بعد میں 18 جولائی 1947 کو شاہی منظوری حاصل کر گیا۔ تقسیم کے ساتھ پرتشدد فسادات اور بڑے پیمانے پر ہلاکتیں ہوئیں اور برصغیر میں مذہبی تشدد کی وجہ سے تقریباً 1 کروڑ 50 لاکھ لوگوں کی نقل مکانی ہوئی؛ آزادی کے اردگرد کے مہینوں میں لاکھوں مسلمان، سکھ اور ہندو پناہ گزین نئی سرحدوں کو عبور کر کے بالترتیب پاکستان اور بھارت پہنچے۔

14 اگست 1947 کو، نیا ڈومینین آف پاکستان آزاد ہوا اور محمد علی جناح نے کراچی میں اس کے پہلے گورنر جنرل کے طور پر حلف اٹھایا۔ آزادی کا جشن بڑے پیمانے پر منایا گیا، لیکن 1947 میں آزادی کے دوران ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کی

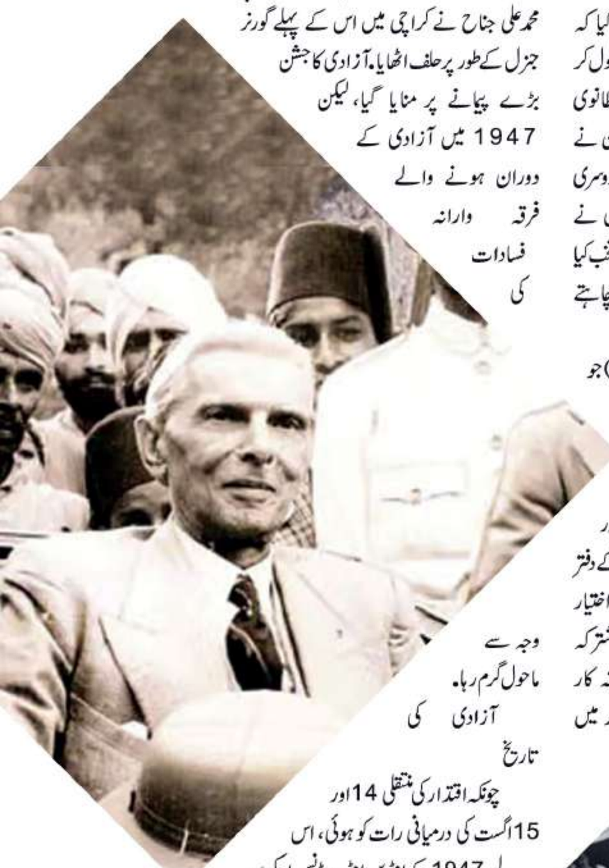

وجہ سے ماحول گرم رہا۔

آزادی کی تاریخ

چونکہ اقتدار کی منتقلی 14 اور 15 اگست کی درمیانی رات کو ہوئی، اس لیے 1947 کے انڈین انڈیپنڈنس ایکٹ نے 15 اگست کو پاکستان اور بھارت دونوں کی سالگرہ کے طور پر تسلیم کیا۔ اس ایکٹ میں کہا گیا ہے:

"پندرہ اگست، انیس سو سینتالیس سے، ہندوستان میں دو آزاد ڈومینین قائم کیے جائیں گے، جنہیں بالترتیب ہندوستان اور پاکستان کے نام سے جانا جائے گا۔"

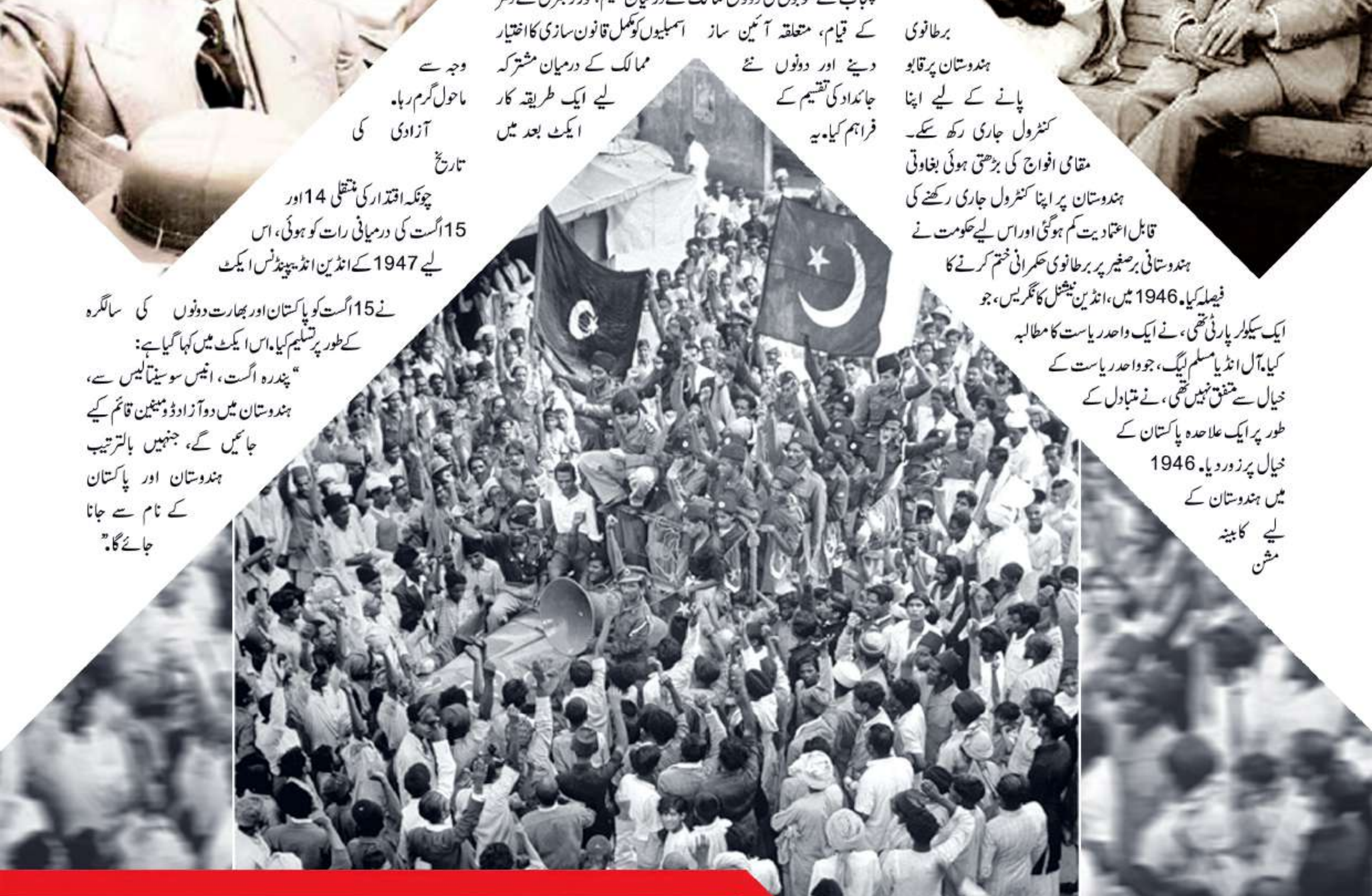

انڈیا اور پاکستان کے درمیان مئی میں ہونے والی چار روزہ لڑائی کے دوران کس کا کتنا نقصان ہوا، اس بارے میں دونوں اطراف سے متضاد دعوے سامنے آتے رہے ہیں جن میں اب امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے بیان کا بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

سے کیا دعوے کیے جاتے رہے ہیں اور ٹرمپ نے اس تقریب میں کیا کہا ہے؟

جمعے کی رات وائٹ ہاؤس میں ریپبلکن قانون سازوں سے خطاب کرتے ہوئے ٹرمپ نے کہا ہے کہ انھیں بہت فخر ہے کہ امریکہ نے بہت سی جنگیں روک دی ہیں اور وہ سب سنگین جنگیں تھیں۔

جنگ کے بعد بین الاقوامی میڈیا کو دی گئی پریس بریفنگ میں پاکستانی فضائیہ کے ڈپٹی چیف آف ایئر آپریشنز ایئر وائس مارشل اورنگزیب نے دعویٰ کیا تھا کہ تین رفال طیارے بھٹنڈہ، جموں اور سرینگر کے قریب مار گرائے گئے جبکہ مگ 29 اور سو 30 کو سرینگر کے پاس مار گرایا گیا۔

اس دعوے کے بعد سے انڈیا کے عسکری حکام سے متعدد مرتبہ اس بارے میں سوال کیا گیا ہے جس کے جواب میں تین اہلکاروں کے بیانات سامنے آئے ہیں۔

یاد رہے کہ انڈونیشیا میں انڈیا کے

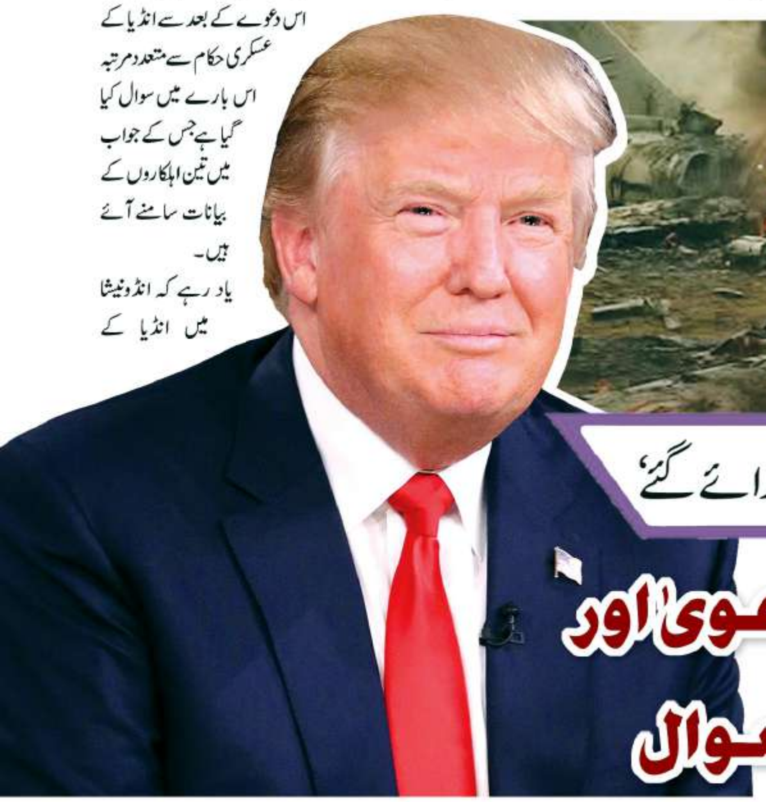

’پاکستان اور انڈیا کی جنگ کے دوران پانچ طیارے گرائے گئے‘

امریکی صدر ٹرمپ کا دعویٰ اور کانگریس کا مودی سے سوال

امریکی صدر نے جمعے کے روز ایک تقریب کے دوران ’انڈیا-پاکستان جنگ رُکوانے‘ کا ذکر کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ اس دوران ’پانچ لڑاکا طیارے مار گرائے گئے۔‘

ٹرمپ نے یہ واضح نہیں کیا یہ طیارے کس ملک کے تھے اور کس ملک نے گرائے۔

ٹرمپ کا یہ بیان وائٹ ہاؤس میں ریپبلکن ارکان پارلیمنٹ کے ساتھ ملاقات کے دوران سامنے آیا۔

اس بیان کے بعد انڈیا میں اپوزیشن پارٹی کانگریس نے وزیر اعظم نریندر مودی پر تنقید کی ہے۔ کانگریس نے سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس پر ایک پوسٹ میں کہا کہ ’ٹرمپ نے کہا کہ انڈیا اور پاکستان کے درمیان جنگ میں پانچ جیٹ طیارے مار گرائے گئے، اس کے ساتھ انھوں نے 24ویں بار کہا کہ میں نے تجارت کی دھمکی دے کر پاکستان انڈیا جنگ رکوائی۔‘

’ٹرمپ مسلسل یہ بات دہرا رہے ہیں اور نریندر مودی خاموش ہیں۔ نریندر مودی نے کاروبار کے لیے ملک کی عزت پر سمجھوتہ کیوں کیا؟'

کانگریس رہنما راہل گاندھی نے ایک مختصر ٹویٹ میں اس بارے میں ٹرمپ کی ویڈیو شیئر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ’مودی جی پانچ طیاروں کے بارے میں سچ کیا ہے؟ ملک کو یہ جاننے کا حق ہے۔‘

خیال رہے کہ انڈیا اور پاکستان کے درمیان کشیدگی کے بعد سے انڈیا کی اپوزیشن جماعت کانگریس اور اس کے رہنما راہل گاندھی نے وزیرِ اعظم نریندر مودی اور وزیرِ خارجہ جے شنکر سے یہ سوال بارہا پوچھتے رہے ہیں کہ انڈیا نے اس لڑائی میں کتنے طیارے کھوئے۔

آیئے جانتے ہیں کہ طیارے گرانے کے حوالے سے دونوں اطراف

انھوں نے کہا کہ ’انڈیا اور پاکستان کے درمیان جنگ ہوئی اور اس دوران طیارے مار گرائے جا رہے تھے۔ پانچ، چار یا پانچ لیکن میرے خیال میں پانچ جیٹ طیارے مار گرائے گئے۔‘

انھوں نے ریپبلکن سینیٹر لنڈسے گراہم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ’یہ بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ اور یہ دونوں جوہری ہتھیاروں سے لیس ملک ہیں اور یہ ایک دوسرے پر حملے کیے جا رہے تھے۔‘

’ایسا لگتا ہے کہ یہ جنگ کا ایک نیا طریقہ ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ہم نے حال ہی میں ایران کے ساتھ کیا کیا۔ ہم نے ان کی جوہری صلاحیت کو مکمل طور پر تباہ کر دیا ہے۔۔۔ لیکن (اس نئے طریق ؟ جنگ میں) کبھی ایک حملہ ہوتا اور پھر دوسری طرف حملہ ہوتا ہے۔‘

ٹرمپ نے اپنے بیان میں ایک بار پھر تجارت کا ذکر کیا اور کہا کہ اس کے ذریعے تنازع روکا گیا۔

ٹرمپ نے کہا کہ ’انڈیا اور پاکستان کے درمیان تنازع بڑھ رہا تھا اور ہم نے اسے تجارت کے ذریعے حل کیا ہے۔‘

ہم نے کہا کہ ’آپ لوگ (امریکہ کے ساتھ) تجارتی معاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ ایک دوسرے پر حملے کرتے ہیں اور شاید جوہری ہتھیار بھی استعمال کرتے ہیں تو ہم تجارتی معاہدہ نہیں کریں گے۔‘

انڈیا نے اب تک طیارے مار گرانے کے پاکستانی دعوؤں کے بارے میں کیا کہا ہے؟

پاکستانی فوج کے ترجمان کی جانب سے مئی میں انڈیا اور پاکستان جنگ کے دوران یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ پاکستان نے انڈیا کے متعدد طیارے مار گرائے ہیں۔

انڈین ڈیفنس اتاشی کیپٹن شیو کمار نے انڈونیشیا کی ایک یونیورسٹی میں 10 جون کو انڈیا-پاکستان ایئر کانفلکٹ-مئی '2025 کے عنوان کے تحت ہونے والے بین الاقوامی سیمینار میں پریزینٹیشن دی تھی۔

اس پریزینٹیشن کے دوران انھوں نے کہا تھا کہ جیسا کہ ٹامی ٹیمٹومو (وائس چیرمین، انڈونیشیا سینٹر فار ایئر پاور سٹڈیز) نے کہا ہے کہ انڈیا نے (اس حالیہ جنگ میں) بہت سے طیارے کھوئے۔ میں اُن سے اتفاق نہیں کرتا کہ انڈیا نے بہت سارے طیارے کھوئے، لیکن میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ ہم نے چند طیارے ضرور کھوئے۔

'اور یہ صرف انڈیا کی سیاسی قیادت کی اس پابندی کی وجہ سے ہوا تھا جس میں پاکستان میں ملٹری اسٹیبلیشمنٹ اور فضائی دفاع پر حملہ نہ کرنے کو کہا گیا تھا۔ لیکن نقصان کے بعد ہم نے اپنے حکمت عملی تبدیل کی اور ہم نے اُن کے فوجی ٹھکانوں کو نشانہ بنایا۔'

اس سے قبل 31 مئی کو سنگاپور میں شنگریلا ڈائیلاگ کے موقع پر بلومبرگ ٹی وی کے ساتھ ایک انٹرویو میں جب انڈیا کے چیف آف ڈیفنس سٹاف جنرل انیل چوہان سے پوچھا گیا کہ کیا مئی میں پاکستان کے ساتھ چار روزہ فوجی تصادم کے دوران کوئی انڈین لڑاکا طیارہ مار گرایا گیا؟

اس کا جواب دیتے ہوئے جنرل انیل چوہان نے کہا اہم بات یہ نہیں کہ طیارے گرائے گئے، بلکہ یہ ہے کہ وہ کیوں گرائے گئے۔' تاہم انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ انڈیا نے کتنے طیارے کھوئے۔

چوہان نے کہا کہ طیارے کیوں گرے، کیا غلطیاں ہوئیں، یہ باتیں اہم ہیں۔ نمبر اہم نہیں ہوتے۔'

اس پر صحافی نے ان سے دوبارہ سوال کیا کہ کم ازکم ایک جیٹ مار گرایا گیا، کیا یہ درست ہے؟

جنرل انیل چوہان کے انٹرویو پر انڈیا میں ردِعمل: 'بلومبرگ ٹی وی پر نقصانات کا اعتراف کر سکتے ہیں تو اپنے ملک میں خاموشی کیوں؟'

اس پر جنرل انیل چوہان نے کہا کہ اچھی بات یہ ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کو پہچاننے میں کامیاب رہے، ہم نے انھیں درست کیا اور پھر دو دن بعد ان پر عمل درآمد کیا۔ اس کے بعد ہم نے اپنے تمام جیٹ طیارے اڑائے اور طویل فاصلے تک ہدف کو نشانہ بنایا۔'

صحافی نے ایک بار پھر پوچھا پاکستان کا دعویٰ ہے کہ وہ چھ انڈین لڑاکا طیاروں کو مار گرانے میں کامیاب رہا، کیا اس کا اندازہ درست ہے؟'

اس کے جواب میں جنرل انیل چوہان نے کہا کہ یہ بالکل غلط ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے کہا یہ معلومات بالکل بھی اہم نہیں ہیں۔ اہم یہ ہے کہ جیٹ طیارے کیوں گرے اور اس کے بعد ہم نے کیا کیا؟ یہ ہمارے لیے زیادہ اہم ہے۔'

اس سے قبل انڈین فضائیہ (آئی اے ایف) کے ایئر مارشل اے کے بھارتی نے تینوں مسلح افواج کے سربران کے ہمراہ پریس بریفنگ کے دوران ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ جنگ میں نقصان معمول کی بات ہے' لیکن انھوں نے بھی پاکستانی دعوے پر براہ راست تبصرہ کرنے سے گریز کیا تھا۔

انڈیا کا امریکی ثالثی کے حوالے سے مؤقف کیا رہا ہے؟

حال ہی میں انڈین وزیر خارجہ ایس جے شنکر کواڈ ممالک کے وزرائے خارجہ کی میٹنگ میں شرکت کے لیے امریکہ گئے تھے جہاں انھوں نے امریکی میگزین نیوز ویک' کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ جنگ بندی مکمل طور پر دو طرفہ عمل تھا۔

انٹرویو کے دوران جے شنکر سے پوچھا گیا کہ صدر ٹرمپ اور وزیرِ اعظم مودی کے درمیان بات چیت کے بعد انڈیا کی طرف سے جاری کردہ بیان میں کہا گیا تھا کہ انڈیا اور پاکستان کے درمیان کسی تیسرے ملک کی ثالثی قابل قبول نہیں ہے لیکن صدر ٹرمپ کئی بار کہہ چکے ہیں کہ تجارت کو تنازع روکنے کے ایک ذریعے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ کیا اس سے تجارتی معاہدے کی بات چیت پر کوئی اثر پڑا ہے؟'

اس کے جواب میں ایس جے شنکر نے کہا تھا کہ میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ جب نائب صدر جے ڈی وینس نے نو مئی کی رات وزیر اعظم مودی سے بات کی تو میں کمرے میں موجود تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ اگر ہم کچھ باتوں پر متفق نہیں ہوئے تو پاکستان انڈیا پر بڑا حملہ کر سکتا ہے لیکن پاکستان کی دھمکیوں کا وزیر اعظم پر کوئی اثر نہیں ہوا، اس کے برعکس انھوں نے واضح طور پر اشارہ دیا کہ انڈیا کی طرف سے جوابی کارروائی کی جائے گی۔'

ایس جے شنکر نے کہا تھا کہ کئی سالوں سے قومی اتفاق رائے ہے کہ پاکستان کے ساتھ ہمارے تمام مسائل باہمی یعنی دو طرفہ ہیں۔

ایس جے شنکر نے کہا تھا کہ یہ اس رات کی بات ہے اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اس رات پاکستان نے ہم پر شدید حملہ کیا۔ ہم نے فوراً جواب دیا۔ اگلی صبح مارکو روبیو نے مجھے فون کیا اور بتایا کہ پاکستان بات چیت کے لیے تیار ہے۔ میں صرف آپ کو بتا سکتا ہوں کہ میرا اپنا تجربہ کیا رہا۔'

جون کے مہینے میں وزیرِ اعظم مودی جی سیون سربراہی اجلاس میں شرکت کے لیے کینیڈا گئے تھے اور وہاں سے انھوں نے صدر ٹرمپ سے فون پر بات کی تھی۔

اس بات چیت کی تفصیلات دیتے ہوئے انڈیا کے خارجہ سکریٹری وکرم مصری نے کہا تھا کہ وزیرِ اعظم مودی نے ٹرمپ کو واضح طور پر کہا کہ پاکستان کے ساتھ جنگ بندی دو طرفہ ہے اور کسی تیسرے ملک کی مداخلت کی وجہ سے نہیں ہے۔

وکرم مصری نے یہ بھی کہا تھا کہ وزیرِ اعظم مودی نے ٹرمپ کو بتایا تھا کہ جنگ بندی کے لیے امریکہ کے ساتھ تجارت پر کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔

'کیا ٹرمپ ایسا انڈیا پر دباؤ بڑھانے کے لیے کر رہے ہیں؟'

خیال رہے کہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ متعدد مواقع پر یہ دعویٰ کر چکے ہیں کہ انھوں نے پاکستان اور انڈیا کے درمیان جنگ بندی کروائی اور دونوں ممالک کو ایٹمی جنگ کی طرف بڑھنے سے روکا۔

ان کے اس دعوے کی پاکستان نے حمایت کی تھی۔ جنگ بندی کے بعد پاکستان کے وزیر اعظم شہباز شریف نے کہا تھا کہ میں صدر ٹرمپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، جنگ بندی میں واشنگٹن نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

صحافی رعنا ایوب نے ٹرمپ کے بیان پر ایک پوسٹ میں کہا کہ کیا انڈیا اس بارے میں ایک جارحانہ ردِعمل نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا جب صدر ٹرمپ انڈیا اور پاکستان کے درمیان ثالثی کے بارے میں نئی تفصیلات کے ساتھ بات نہیں کرتے۔'

انڈیا میں راجیہ سبھا کے رکن ساکت گوکھلے نے لکھا کہ مودی اتنے کمزور کیوں ہیں کہ وہ اس دعوے کو عوامی طور پر رد نہیں کر رہے۔ مودی اور جے شنکر ٹرمپ کے دعوے کا جواب کیوں نہیں دے رہے، کیا یہ اس لیے ہے کیونکہ ٹرمپ سچ بول رہے ہیں اور مودی ہم سے جھوٹ بولتے رہے ہیں؟'

پاکستان کے امریکہ کے لیے سابق سفیر حسین حقانی کے مطابق ایک وقت تھا جب امریکی صدور کے بیانات امریکی حکومت کو موصول ہونے والی انٹیلیجنس کی عکاسی کرتے تھے۔ صدر ٹرمپ کے وہ کہتے ہیں جو وہ ٹھیک سمجھتے ہیں اور یہ تصدیق شدہ معلومات ہو بھی سکتی ہیں اور نہیں بھی۔'

انڈیا میں راجیہ سبھا کی رکن پریانکا چترویدی نے لکھا کہ اگر ڈونلڈ ٹرمپ یہ بات بار بار دہرا رہے ہیں کہ انڈیا اور پاکستان نے سیز فائر پر اتفاق تجارتی معاہدے کی وجہ سے کیا تو ایسا کیوں ہے کہ ابھی تک انڈیا اور امریکہ کے درمیان تجارتی معاہدہ نہیں ہوا ہے؟ کیا یہی وجہ ہے کہ امریکی صدر یہ دہراتے ہیں تاکہ وہ انڈیا پر دباؤ بڑھا سکیں؟'

کراچی کی مخدوش عمارتیں اور تعمیراتی مواد کا ناقص معیار

لیاری کے گنجان آباد علاقے بغدادی میں حال ہی میں 5 منزلہ عمارت منہدم ہوگئی جس میں کم از کم 27 افراد جاں بحق جبکہ متعدد معذور ہوئے اور ٹراما سے دوچار ہوئے۔ حالیہ برسوں میں کئی عمارتیں گر چکی ہیں جیسے 2020ء میں کورنگی اور گل بہار میں جبکہ 2023ء میں مچھر کالونی اور شاہ فیصل کالونی میں بھی عمارتیں گرنے کے واقعات پیش آئے جن میں کئی جانیں گئیں۔

یہ المناک واقعات اس لیے رونما ہوئے کیونکہ لاتعداد عمارتیں ناقابلِ رہائش ہیں۔ صرف لیاری میں ہی سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی (ایس بی سی اے) کی جانب سے 107 سے زائد عمارتوں کو مخدوش قرار دیا جا چکا ہے جبکہ شہر کے دیگر علاقوں میں اس طرح کی عمارتوں کی درست تعداد نامعلوم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ گزشتہ ہفتوں میں لانڈھی، کورنگی اور ملحقہ علاقوں میں 4 درجن سے زائد دفعہ زلزلے کے جھٹکے محسوس کیے گئے۔

خوش قسمتی سے ان واقعات میں کوئی بھی جانی نقصان نہیں ہوا لیکن یہ دیکھ کر مایوسی ہوتی ہے کہ قدرتی آفات پسماندہ آبادیوں بالخصوص شہری علاقوں میں مقیم غربا کو تباہ کرتی ہیں۔ لہٰذا جیسے جیسے مون سون کا موسم شروع ہو رہا ہے، مزید تاخیر کیے بغیر ایک کثیر الجہتی حکمت عملی اپنانے کی ضرورت ہے۔

ایس بی سی اے کو میونسپل حکام اور صوبائی ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی کے ساتھ فوری طور پر خطرناک قرار دی گئی عمارتوں سے متعلق مسائل سے نمٹنے چاہیے۔ حکام کو کمیونٹی لیڈران کے ذریعے رہائشیوں کے ساتھ بات چیت کرنی چاہیے تاکہ انخلا میں آسانی ہو۔ تکنیکی ماہرین کی مدد اور رائے عامہ کے ذریعے کمزور عمارتوں کے لیے ضروری اقدامات نیز ان اقدامات کی ترتیب کا تعین کیا جانا چاہیے۔

جو عوامی رہائشی عمارتیں دستیاب ہیں، ان کی فوری نشاندہی کر کے رہائش کے متبادل انتظامات کرنا ہوں گے۔ عمارتوں کے حالات کا فوری جائزہ لیا جانا چاہیے تاکہ ان عمارتوں کی ممکنہ بحالی کے آپشنز معلوم ہو سکیں جنہیں بچایا جا سکتا ہے۔ جو عمارتیں مکمل طور پر ناقابلِ رہائش ہیں، وہ قانونی اور انتظامی شرائط پوری ہونے کے بعد احتیاط سے گرائی جا سکتی ہیں۔ شہری بہتری کے منصوبے کے حصے کے طور پر علاقے کی تعمیرِ نو کا منصوبہ بھی بنایا جانا چاہیے۔

ایک مالیاتی منصوبہ جس میں جزوی صوبائی امداد شامل ہو اور مکینوں سے اخراجات کی بتدریج وصولی بھی کی جائے، اس منصوبے کی فنڈنگ کے لیے تیار کیا جانا چاہیے۔ اس کے علاوہ بہتر سہولیات کے ساتھ ہر گھر کے مجموعی رقبے کو بڑھانے کے لیے کچھ اقدامات بھی اہم ہیں۔ تعمیر کے ہمارے پرانے ٹریک ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے، یہ پوری مشق 30 ماہ میں مکمل ہو سکتی ہے۔

صوبائی حکومت کو کراچی اور دیگر شہروں میں مسائل کے حوالے سے اسے ایک قابلِ عمل پائلٹ پروجیکٹ بنانے کے لیے ابتدائی مرحلے میں فنڈز فراہم کرنا ہوں گے۔ منصوبے کی کامیاب تکمیل سے حکومت کے عزائم اور معاملات میں اس کی شمولیت کے حوالے سے عوام میں اعتماد کی فضا پیدا ہوگی۔

سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈیننس 1979ء جس کے تحت ایس بی سی اے کا قیام عمل میں آیا تھا، ایک نگرانی کمیٹی کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ ماضی میں متعدد مواقع پر جامع کمیٹیز تشکیل دی گئیں۔ درحقیقت شہری کے رولینڈ ڈی سوزا اور اردشیر کاواسجی جیسے ممتاز پروفیشنل افراد نے شہر میں تعمیراتی کاموں کی نگرانی سے متعلق مؤثر کام کیا۔ یہ کراچی کے بہترین مفاد میں ہوگا کہ ایسی کمیٹی دوبارہ تشکیل دی جائے۔

محض بیوروکریٹس سے آسامیاں بھرنے کے بجائے (جیسا کہ اب ہوتا ہے)، ان عہدوں پر سول سوسائٹی کے فعال اراکین کے ساتھ ساتھ پروفیشنل افراد اور محققین کو تعینات کیا جانا چاہیے۔ اسٹیک ہولڈرز جیسے کہ بلڈرز، ٹھیکیداروں، مکینوں، سروس پرووائیڈرز، کنسلٹنٹس اور دیگر کی فعال خدمات کے ساتھ ایک تنظیم نو کمیٹی عمارت کے تعمیراتی امور کو متعلقہ ضوابط اور حفاظتی طریقہ کار کے مطابق لانے میں مدد کر سکتی ہے تاکہ شہر کی صورت حال میں بہتری آ سکے۔

ہمارے موجودہ بلڈنگ اور ٹاؤن پلاننگ کے قوانین کو مکمل طور پر اپ ڈیٹ کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف نئے قوانین بنانے اور انہیں تصادفی طور پر نافذ کرنا کارگر ثابت نہیں ہوگا۔ مزید عملی اور مؤثر منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

ایک بڑا مسئلہ جسے اکثر نظرانداز کر دیا جاتا ہے، وہ تعمیراتی سامان کا ناقص معیار ہے۔ مقامی طور پر تیار کردہ اور درآمد شدہ مواد کی جانچ پڑتال نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے گھروں کی تعمیر کروانے والے مالکان اکثر کم معیار کے تعمیراتی مواد اور تعمیری خدمات کے لیے زائد ادائیگیاں کرتے ہیں۔

اب وقت آ چکا ہے کہ عمارتوں کے استحکام کو یقینی بنانے کے لیے تعمیراتی مصنوعات اور مواد کو معیاری بنایا جائے۔ ان میں سیمنٹ، ریت، اسٹیل، اینٹیں اور بلاکس شامل ہیں۔ بہت سے پائلٹ پروجیکٹس نے ثابت کیا ہے کہ بنیادی تعمیراتی مواد کے معیار کو بڑھانے سے تعمیراتی معیار میں نمایاں بہتری آتی ہے۔ چنائی اور دیگر تعمیراتی مہارتوں میں وسیع پیمانے پر پیشہ ورانہ تربیت بھی ایک اہم ترین جز ہے۔

یہ کوششیں موجودہ ورکرز کی مہارتوں کو بہتر بنانے میں مدد کریں گی اور جدید اور تعمیراتی شعبے سے وابستہ نئے لوگوں کو تربیت دیں گی۔ جدید ڈیجیٹل ٹولز اور تعمیر کے بہتر طریقے استعمال کرنے سے لوگ مضبوط، پائیدار اور مہارت سے تعمیر شدہ گھروں کے ذریعے اپنی خرچ کردہ رقم میں بہترین رہائشی خدمات وصول کریں گے۔

برنس روڈ پر واقع عمارت میں غیر قانونی تعمیرات، رہائشیوں کے حقوق غصب، ادارے خاموش!

اسماعیل ابراہیم کی ملکیت بلڈنگ AM-6 / 24،KEB میں "دی لیکوئیڈ ون سی" دکان کے لیے راستہ نکالنے کے لیے عمارت کی بنیادوں میں تبدیلی، ہوا اور روشنی بند، خطرناک صورتحال پر حکام کی خاموشی سوالیہ نشان بن گئی۔

شہر قائد کی مصروف ترین شاہراہ برنس روڈ پر واقع "افریقن ہاؤس/ اسماعیل ابراہیم" کی زیرِ ملکیت قدیم عمارت پلاٹ نمبر AM-6 / 24،KEB میں مبینہ طور پر خطرناک اور غیر قانونی تعمیرات جاری ہیں۔ ذرائع کے مطابق عمارت کی پارکنگ، گزرگاہ، اور بنیادوں میں مداخلت کرتے ہوئے ایک معروف دکان "The Liquid One"-"C" کے لیے زبردستی راستہ نکالا گیا ہے۔

ذرائع کا کہنا ہے کہ اس مبینہ غیر قانونی تعمیرات کے نتیجے میں بلڈنگ کے رہائشیوں کی ہوا اور روشنی بند ہو چکی ہے، جبکہ نیچے کی دکان کو ''ڈیڈک اسپیس'' سے ملا کر کمرشل سرگرمیوں کے لیے استعمال میں لایا جا رہا ہے، جو بلڈنگ بائی لاز کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

رہائشیوں کے مطابق، رات کے اندھیرے میں چپکے چپکے تعمیراتی سامان بلڈنگ میں منتقل کیا جاتا ہے اور بغیر کسی منظوری یا نقشے کے بنیادوں میں چھیڑ چھاڑ کی گئی ہے۔ عمارت کے عقب میں موجود تنگ گلی کو مستقل طور پر بند کر دیا گیا ہے، جس سے نہ صرف ایمرجنسی ایگزٹ متاثر ہوا ہے بلکہ کسی حادثے کی صورت میں رہائشیوں کی زندگیاں داؤ پر لگ گئی ہیں۔

بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی اور ضلعی انتظامیہ کو کئی بار شکایات دی گئیں، مگر تا حال کوئی کارروائی سامنے نہیں آسکی۔ اطلاعات کے مطابق بلڈنگ کی موجودہ صورتحال نہ صرف خطرناک قرار دی جا سکتی ہے بلکہ کسی بھی وقت حادثے کا سبب بن سکتی ہے۔

سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے ڈائریکٹر جنرل اور ڈپٹی کمشنر جنوبی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی گئی، تاہم کوئی جواب موصول نہ ہو سکا۔ اگرچہ قوانین واضح طور پر کہتے ہیں کہ کسی بھی عمارت میں بنیادی ساخت میں تبدیلی کے لیے ایس بی سی اے کی پیشگی منظوری ضروری ہوتی ہے، لیکن یہاں تمام قانونی تقاضے روند دیے گئے ہیں۔

ماہرینِ تعمیرات کے مطابق، کسی بھی پرانی عمارت کی بنیادوں میں چھیڑ چھاڑ سے پوری عمارت کی ساخت متاثر ہوتی ہے اور گراوٹ یا شگاف پڑنے جیسے خطرات پیدا ہو سکتے ہیں۔

رہائشیوں نے وزیر اعلیٰ سندھ، چیف سیکریٹری، اور دیگر اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ فوری طور پر غیر قانونی تعمیرات کو بند کرایا جائے، اور ذمہ دار افراد کے خلاف سخت کارروائی کی جائے تاکہ انسانی جانوں کو لاحق خطرات سے بچایا جا سکے۔

اسرائیل سے جنگ کے بعد ایران عرب ممالک کا اعتماد دوبارہ کیسے جیت رہا ہے؟

گذشتہ ماہ ایران اور اسرائیل کے درمیان 12 روزہ جنگ کے بعد خلیجی عرب ممالک نے توقعات کے برعکس کوشش کی ہے کہ جنگ سے پہلے کی صورتحال اور حالات کو برقرار رکھا جائے اور اپنی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔

یہ سب اس وقت ہوا جب ایران نے قطر میں العدید ایئر بیس پر حملہ کیا جو تقریباً دو ہفتوں پر محیط جنگ کا اختتامی نکتہ ثابت ہوا۔ مبصرین اس حملے کو بے مثال قرار دیتے ہیں، خاص طور پر اس تناظر میں کہ قطر خطے میں ایران کا قریبی اتحادی سمجھا جاتا ہے۔

خلیج فارس کے عرب ممالک نے فوری طور پر اس حملے کی مذمت کی تاہم ان کا یہ ردِعمل جلد ہی خبروں کی شہہ سرخیوں سے غائب ہو گیا اور اس کی جگہ ایسی رپورٹس نے لے لی جن میں ایران کے خلیج کے اہم ممالک کے ساتھ تعلقات میں تسلسل اور مضبوطی کا اعادہ کیا گیا۔

بی بی سی اردو کے فیچر اور تجزیے براہ راست اپنے فون پر ہمارے واٹس ایپ چینل سے حاصل کریں۔ بی بی سی اردو واٹس ایپ چینل فالو کرنے کے لیے کلک کریں۔

ایران اور اسرائیل کی جنگ کے بعد خلیجی ممالک کی جانب سے دیے گئے سب سے نمایاں بیانات میں سے ایک میں متحدہ عرب امارات کے سفارتی مشیر انور قرقاش کا بیان تھا جو انھوں نے سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس پر لکھا۔

'خلیجی ریاستوں نے ایران کے ساتھ اسرائیل کی جنگ کے خلاف ایک مضبوط اور مؤثر موقف اختیار کیا۔ لیکن ایران نے اپنے برادر ملک قطر کی خودمختاری کو نشانہ بنایا جس سے ہم سب متاثر ہوئے ہیں۔'

تاہم انھوں نے یہ بھی کہا کہ جنگ کے خاتمے کے بعد 'تہران پر اب یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے خلیجی ہمسایہ ممالک کا اعتماد دوبارہ بحال کرے۔'

بی بی سی مانیٹرنگ نے اس مضمون میں جنگ کے بعد ایران کے خلیج فارس کے اہم ترین ممالک کے ساتھ تعلقات کا ایک تجزیہ پیش کیا ہے۔

ایران-اسرائیل جنگ اور العدید ایئر بیس پر حملے کے بعد سعودی عرب کا ردِعمل یہ بتاتا ہے کہ ریاض تہران کے ساتھ تعلقات برقرار رکھنا چاہتا ہے، ایسے تعلقات جو بعض مبصرین کے مطابق جون میں جھڑپوں سے قبل حالیہ برسوں کی بلندترین سطح تک پہنچ چکے تھے۔

اس بات کا اظہار خاص طور پر دونوں ممالک کے درمیان مسلسل دوستانہ اور اعلیٰ سطحی روابط سے ظاہر ہو رہا ہے جن میں سعودی ولی عہد محمد بن سلمان اور ایرانی وزیر خارجہ عباس عراقچی کے درمیان رواں ماہ آٹھ جولائی کو جدہ میں ہونے والی ملاقات بھی شامل ہے۔

اگرچہ مارچ 2023 میں بیجنگ میں ہونے والے ریاض اور تہران کے درمیان مفاہمتی معاہدے نے دنیا بھر کی توجہ حاصل کی تھی تاہم سعودی میڈیا اور حکام اس کے نفاذ کے حوالے سے اپنی رپورٹنگ اور تبصروں میں محتاط رہے جس نے اس بات کی نشاندہی کی کہ اگر سعودی مفادات میں تبدیلی آئی تو وہ اس معاہدے پر کاربند رہنے سے گریز کریں گے۔

تاہم ایران اور سعودی عرب کے تعلقات میں 2024 کے آخری سہ ماہی سے لے کر 2025 تک تیزی سے بہتری آتی گئی، گو کہ یہ ایسا وقت تھا جب خطے میں ایران کا اثر و رسوخ اسرائیل کی لبنان میں حزب اللہ کے خلاف کارروائیوں اور شام میں ایران کے حامی بشار الاسد کی حکومت کے خاتمے کے باعث کمزور ہو چکا تھا۔

سعودی عرب نے نئی لبنانی قیادت کی حمایت کی ہے جس نے ایک جانب حزب اللہ کو غیر مسلح کرنے کو اپنی ترجیح بنایا وہیں ساتھ ہی شامی عبوری حکومت کے حکام کے ساتھ قریبی سیاسی اور اقتصادی تعلقات بھی قائم کیے ہیں۔

سعودی وزیر دفاع خالد بن سلمان کا اپریل میں ایران کا تاریخی دورہ اور ایرانی مسلح افواج کے سابق سربراہ محمد باقری اور آیت اللہ خامنہ ای سے ان کی ملاقات اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھا کہ سعودی عرب ایک کمزور ایران کے ساتھ تعلقات مضبوط کرنا چاہتا ہے۔

ایران اسرائیل جنگ کے آغاز میں سعودی حکام اور ملک کے بڑے میڈیا اداروں نے ایران کے بارے میں بہت گرم جوش موقف اختیار کیا۔

محمد بن سلمان نے مسعود پزشکیان سے بات چیت میں افسوس کا اظہار کیا اور 13 جون کو اسرائیلی حملے کی شدید مذمت کی۔

سعودی قیادت نے ایرانی زائرین کی زمینی راستے سے بحفاظت واپسی کے لیے خصوصی اقدامات کرنے کا حکم بھی دیا۔

اگرچہ ریاض نے العدید بیس پر ایران کے حملے کی سخت مذمت کی اور سعودی حکام اور میڈیا نے استحکام اور مزاحمت کا مسلسل پیغام دیا لیکن پھر فوری طور پر ہی سعودی میڈیا نے جنگ بندی کے اعلان پر توجہ مرکوز کر دی۔

24 جون کو محمد بن سلمان اور مسعود پزشکیان کے درمیان فون کال کی جو رپورٹ جاری کی گئی اس میں کہیں العدید بیس پر حملے کا ذکر نہیں تھا۔

اس کے بعد آنے والے ہفتوں میں بھی میڈیا نے سعودی اور ایرانی حکام کے درمیان کشیدگی کم کرنے کے لیے جاری رابطوں کی رپورٹنگ کی جس کا خاتمہ بالآخر جدہ میں محمد بن سلمان کی میزبانی میں عباس عراقچی کے استقبال پر ہوا۔

سعودی میڈیا نے ایک بار پھر دونوں ممالک کے درمیان 'برادرانہ' تعلقات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اس میں کہیں بھی ایران پر قطر پر حملے کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

سعودی میڈیا میں نشر ہونے والے تجزیوں میں بھی یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ سعودی عرب خطے میں استحکام برقرار رکھنے کا خواہاں ہے وہیں ایران میں حکومت کی تبدیلی سے اجتناب بھی ان رپورٹس میں صاف عیاں ہوتا ہے۔

اس کی ایک مثال الشرق الاوسط اخبار، جو کہ سعودی شاہی خاندان سے منسلک سمجھا جاتا ہے، میں شائع ہونے والے ایک سخت اداریے میں ملتی ہے جس میں ایک لبنانی صحافی اور العربیہ کے سابق اینکر نے اسرائیل کی جانب سے آیت اللہ علی خامنہ ای کو قتل کرنے کی مبینہ سازش کو 'پاگل پن' قرار دیا۔

قطر

23 جون کو ایران کے حملے کے بعد دوحہ کے لیے ایک مشکل صورتِ حال تھی تاہم قطر اور تہران نے فوری طور پر کشیدگی کم کرنے کی خواہش کا اعادہ کیا اور یہ اشارہ بھی دیا کہ ان کے تعلقات بدستور قائم ہیں۔

قطر کے وزیر اعظم نے کہا کہ اس حملے نے ایران کے ساتھ تعلقات پر منفی اثر' ڈالا ہے لیکن ساتھ ہی انھوں نے امید ظاہر کی کہ ایران کے ساتھ تعلقات جلد معمول پر آ جائیں گے۔

یاد رہے کہ دیگر خلیجی ریاستوں کے ساتھ ایران کے تعلقات کے برعکس تہران اور دوحہ کے تعلقات اسلامی جمہوریہ کے 1979 میں قیام کے بعد کبھی بھی ٹوٹ پھوٹ یا تعطل کا شکار نہیں ہوئے۔

اس حملے کے بعد دونوں ممالک کے اعلیٰ حکام نے ٹیلیفون پر بات چیت کی تا کہ دونوں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو پہنچنے والے نقصان میں کمی لائی جا سکے۔

ایرانی صدر اور وزیرِ خارجہ نے بھی جہاں قطر کے اعلیٰ حکام سے رابطہ کیا وہیں میڈیا کے ذریعے اس میزائل حملے سے دوطرفہ اور علاقائی تعلقات کو پہنچنے والے ممکنہ نقصان کو روکنے کی کوشش بھی کی۔

ایران کے سفیر نے 30 جون کو قطر کے چینل العربی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ دونوں ممالک کے درمیان تعلقات 'علاقائی چیلنجز کا مقابلہ کرنے میں ہم آہنگی اور سمجھ بوجھ کی ایک شاندار مثال پیش کرتے رہے ہیں۔'

قطری میڈیا نے ایران کے العدید بیس پر حملے کی تفصیل سے کوریج کی اور کئی دنوں تک اس کے نتائج اور عرب ممالک و عالمی برادری کی جانب سے ملنے والے یکجہتی اور ہمدردی کے پیغامات پر بحث کی۔

میڈیا میں ایران پر اسرائیلی حملوں کے مقاصد کو بھی سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔

نقشے

خبر رساں ادارے الجزیرہ کی ویب سائٹ پر موجود تجزیہ کاروں نے کہا کہ ایران میں حکومت کی تبدیلی کا ہدف الٹا اثر دکھاتا ہے کیونکہ ایرانی فوجی کمانڈروں کے قتل نے ملک میں عدم استحکام پیدا کرنے کے بجائے عوامی رائے کو حکومت کی حمایت میں متحد کر دیا۔

ایک تجزیہ نگار نے کہا کہ اسرائیل کا شدید حملہ ایران کو متحد کرنے کا سبب بنا اور حزب اختلاف کی سیاسی تبدیلی کے مطالبے ختم ہو کر 'ملک کے دفاع' کے نعروں میں تبدیل ہو گئے۔

الجزیرہ کی ایک رپورٹ نے خبردار کیا کہ 'اگر ایرانی حکومت گر گئی تو ممکنہ طور پر خانہ جنگی اور تباہ کن عدم استحکام ایران کی سرحدوں سے باہر تک پھیل سکتا ہے۔'

اس رپورٹ میں زور دیا گیا کہ 'ایران میں حکومت کی تبدیلی ایک غیر حقیقی خیال ہے کیونکہ ایرانی فوج کا ڈھانچہ بغاوت کے خلاف مزاحمت کے لیے بنایا گیا ہے۔'

متحدہ عرب امارات

متحدہ عرب امارات ان چند عرب ممالک میں شامل ہے جن کے اسرائیل اور ایران دونوں کے ساتھ بہتر تعلقات ہیں اور یہی بات ابوظہبی کے لیے مشکل صورت کا سبب بنی کہ وہ کس ایک فریق کا ساتھ دے۔ یہی وجہ ہے کہ یو اے ای کو 'پہلے امن' کی خارجہ پالیسی پر کاربند رہنا پڑا۔

سرکاری سطح پر یو اے ای نے ایران پر اسرائیل کے حملے اور اس کی خودمختاری کی خلاف ورزی کی شدید مذمت کی اور محمد بن زیاد النہیان نے اپنے ایرانی ہم منصب مسعود پزشکیان سے ٹیلیفونک گفتگو میں ایران اور اس کے عوام سے یکجہتی کا اظہار کیا۔

یو اے ای نے قطر میں قائم العدید ایئربیس پر ایران کے میزائل حملے کی بھی مذمت کی۔ یہ حملہ امریکہ کی جانب سے ایران کی جوہری تنصیبات پر حملے کے ردِعمل کے طور پر کیا گیا تھا۔

تاہم بعض تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی قانون اور امن پسندی کی اس زبان کے پیچھے ایک زیادہ عملی مقصد چھپا ہوا ہے۔

دونوں ممالک کے درمیان آ جانے کے بعد یو اے ای نے بحران کو قابو میں رکھنے کے لیے پس پردہ اپنی کوششیں تیز کر دیں تا کہ خطے میں کشیدگی کے پھیلاؤ کو روکا جا سکے اور ایران کے کسی شدید ردِعمل سے بچا جا سکے۔

میزائل حملوں کے دوران جغرافیائی طور پر ایران سے قرب، جوہری آلودگی کے خطرے اور جنگ کے خطے کے استحکام پر اثرات کے خدشے نے ابوظہبی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ جنگ سے پہلے کی صورتحال کو برقرار رکھنے کے لیے کوشش جاری رکھے۔

ابوظہبی نے نہ تو تہران میں حکومت کی تبدیلی کی حمایت کا کوئی اشارہ دیا اور نہ ہی اس نے امریکہ کی حمایت یافتہ اسرائیلی علاقائی بالادستی کی طرف اپنے کسی جھکاؤ کو ظاہر کیا۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ یو اے ای خطے میں طاقت کا توازن قائم رکھنے اور دونوں فریقوں کے ساتھ تعلقات برقرار رکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔

یو اے ای نے تاریخی ابراہمی معاہدوں کے قیام میں کلیدی کردار ادا کیا۔

یاد رہے کہ ابراہم ایکارڈ' یعنی حضرت ابراہیم کے نام پر ہونے والے معاہدے میں چار عرب ممالک شامل ہیں۔ یہ معاہدہ امریکہ کی ثالثی میں 2020 میں طے پایا تھا جس کا مقصد اسرائیل کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانا تھا۔ تاہم غزہ کی جنگ اور اب ایران اسرائیل جنگ کے بعد خطے میں پیدا ہونے والی حالیہ تبدیلیاں ایسے معاہدوں کے امکانات اور مستقبل پر شدید اثر ڈالیں گی۔

ابوظہبی کے لیے ایران کے ساتھ خوشگوار ہمسائیگی کی پالیسی کو برقرار رکھنا اہم ہے کیونکہ یہ اس کے اقتصادی استحکام اور بحیرہ احمر میں مفادات کے لیے ناگزیر ہے۔

ابوظہبی اور تہران کے درمیان تعلقات میں جو بہتری 2021 میں شروع ہوئی تھی، اس میں مارچ 2023 میں چین کی ثالثی میں ایران اور سعودی عرب کے درمیان تعلقات کی بحالی کے معاہدے کے بعد مزید استحکام آیا۔

ایران اور سعودی عرب کے تعلقات میں بہتری نے ابوظہبی کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ ریاض کے ساتھ خفیہ مسابقت میں خود کو ایک علاقائی طاقت کے طور پر متعارف کروا سکے۔

یو اے ای کے میڈیا نے مسلسل جنگ کی خبریں شائع کیں اور ساتھ ہی ساتھ خطے میں کشیدگی کو کم کرنے کے لیے یو اے ای کے ثالثی کردار کو بھی اجاگر کیا۔

کویت

میڈیا رپورٹس کے مطابق کویت بھی امریکی فوجی اڈوں کی میزبانی کرنے والے دیگر ممالک کی طرح ایران اور اسرائیل کے درمیان فائرنگ کے تبادلے سے شدید فکرمند تھا۔

کویت میں کئی امریکی فوجی اڈے قائم ہیں جن میں کیمپ عریفجان، کیمپ دوحہ، اور علی السالم ایئربیس شامل ہیں۔

تاہم کویت نے بھی خطے کے دیگر ممالک کی طرح ایران پر اسرائیلی حملوں کی فوری طور پر مذمت کی۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کویت آج بھی اسرائیل کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے پر سخت تنقید کرتا رہا

ہے جبکہ بحرین اور متحدہ عرب امارات جیسے دیگر ممالک اسرائیل کے ساتھ سفارتی معاہدوں پر دستخط کرنے والوں میں شامل ہیں۔

کویت اور ایران کے تعلقات حالیہ برسوں میں دیگر خلیجی ریاستوں کے مقابلے میں نسبتاً مضبوط رہے یہاں تک کہ چین کی ثالثی میں ایران اور سعودی عرب کے تعلقات کی بحالی کا معاہدہ طے پا گیا۔

تاہم ایران اور کویت کے درمیان اصل تنازع آرش گیس فیلڈ پر ہے۔

ایران نے 2022 میں سعودی عرب اور کویت کے درمیان گیس فیلڈ کی ترقی کے لیے کیے گئے معاہدے پر اعتراض کیا اور زور دیا کہ اس کا بھی اس فیلڈ میں حصہ ہے اس لیے اس منصوبے میں اسے بھی شامل کیا جانا چاہیے تھا۔

دونوں کے درمیان یہ تنازع تا حال برقرار ہے خاص طور پر اس لیے کہ سعودی عرب اور کویت اب بھی اس فیلڈ کو ترقی دینے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔

حمیرا اصغر کی پراسرار موت

کراچی کے پوش فلیٹ میں دفن راز

دلچسپ شروعات، شوبز کی چکا چوند کے پیچھے تنہائی کا عالم۔ فرانزک شواہد کا اشارہ، وہ اکتوبر 2024 میں گمنامی میں انتقال کر گئی تھی

’مجھے حمیرا کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ رہا ہے، وہ ایک بہت اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔‘ یہ کہنا ہے پاکستان کی معروف ٹاپ ماڈل ونیزا احمد کا۔

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ ’شوبز انڈسٹری میں بہت سے لوگ کسی نا کسی غرض سے ہی رابطہ کرتے ہیں لیکن حمیرا کا کیس مختلف تھا، وہ حال احوال پوچھنے کے لئے بھی اکثر رابطہ کرتی تھی اور بطور سینیئر مجھ سے بہت عزت سے پیش آتی تھی۔‘

بی بی سی اردو کے فیچر اور تجزیے براہ راست اپنے فون پر ہمارے واٹس ایپ چینل سے حاصل کریں۔ بی بی سی اردو واٹس ایپ چینل فالو کرنے کے لیے کلک کریں۔

واضح رہے کہ منگل کی شب کراچی سے یہ خبر سامنے آئی تھی کہ ماڈل اور اداکارہ حمیرا اصغر ڈیفینس ہاؤسنگ اتھارٹی میں اپنے فلیٹ میں مُردہ پائی گئی ہیں۔

پولیس کے مطابق اداکارہ کی لاش ’کئی روز پرانی تھی‘ تاہم اب تک یہ واضح نہیں ہوسکا ہے کہ ان کی موت کی وجہ کیا تھی۔

تاہم حمیرا کی موت کے بعد ملک بھر میں سوشل میڈیا پر مختلف آرا بھی سامنے آرہی ہیں اگرچہ کہ ان کی موت کیسے ہوئی، یہ معمہ اب تک حل طلب ہے۔

ایسے میں بی بی سی نے پاکستان کی انٹرٹینمنٹ انڈسٹری کے چند بڑے ناموں سے بات کی اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ وہ حمیرا کی موت پر کیا سوچ رہے ہیں۔

پاکستان کی معروف ٹاپ ماڈل ونیزا احمد نے بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے کہا کہ وہ حمیرا کے کیس پر براہ راست کوئی تو تبصرہ نہیں کریں گے لیکن عمومی طور پر چونکہ وہ اس فیلڈ میں کام کرنے والی لڑکیوں کے مسائل سے بخوبی واقف ہیں، لہذا سمجھتی ہیں کہ ’اِس وقت بات کرنا بہت ضروری ہے۔‘

انھوں نے کہا کہ ’مجھے حمیرا کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ رہا ہے، وہ ایک بہت اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔‘

’شوبز انڈسٹری میں بہت سے لوگ کسی نا کسی غرض سے ہی رابطہ کرتے ہیں لیکن حمیرا کا کیس مختلف تھا، وہ حال احوال پوچھنے کے لئے بھی اکثر رابطہ کرتی تھی اور بطور سینیئر مجھ سے بہت عزت سے پیش آتی تھی۔‘

وینیزا کا کہنا تھا کہ ’ہماری انڈسٹری میں اصل مسئلہ کام نہ ملنا، کم ملنا، یا معاوضوں کا نہیں بلکہ رابطوں کا ہے، یہ صرف شوبز انڈسٹری نہیں بلکہ ہر جگہ کا مسئلہ ہے کہ لوگ کام کو باہمی تعلقات اور میل ملاپ پر ترجیح دینے لگے ہیں۔‘

وہ کہتی ہیں کہ ’کووڈ نے ہمیں سکھایا کہ دنیاوی چیزوں سے زیادہ یہ اہم ہے کہ آپ زندگی کو کیسے جی رہے ہیں، میرے خیال میں ہمیں اپنے رہنے کے ڈھنگ کو مزید بہتر بنانا ہوگا، آج کل کے دور میں ایک دوسرے سے رابطے میں رہنا، خصوصاً جونیئرز کے ساتھ، پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہوگیا ہے۔‘

ماڈلنگ کی ہی فیلڈ سے تعلق رکھنے والی معروف ماڈل نادیہ حسین نے بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے حمیرا کی موت کو بے حد افسوسناک قرار دیا۔

وہ کہتی ہیں کہ ’پاکستان جیسے ملک میں شوبز سے تعلق رکھنے والے کسی فنکار کے لیے طویل عرصے تک تنہا رہنا اور یہ توقع کرنا کہ انھیں کام ملتا رہے گا، پیسہ آتا رہے گا، یہ حقیقت سے بلکل مختلف بات ہے۔‘

نادیہ حسین کا کہنا تھا کہ ’چینلز میں کام کرنے والوں کو ریگولر انکم ملتی ہے لیکن صرف ایکٹنگ اور ماڈلنگ کے ذریعے طویل عرصے تک مسلسل آمدنی کا خیال قطعی غلط ہے۔‘

ڈرامہ سیریل دھواں اور پھر بلبلے سے شہرت پانے والے اداکار نبیل نے بھی بی بی سی اردو بات کرتے ہوئے حمیرا کی وفات پر گہرے دکھ کا اظہار کیا اور بطور سینیئر، شوبز کمیونٹی کو ایک دوسرے کا حال احوال لیتے رہنے کی تاقید کی۔

’ضروری نہیں کہ ہم صرف انڈسٹری کے سینیئرز اور با اثر لوگوں سے ہی میل ملاپ رکھیں، یہ بہت ضروری ہے کہ نئے آنے والے فنکاروں پر بھی نظر رکھی جائے، کراچی میں آرٹس کونسل اور لاہور میں الحمرا جیسے مقامات موجود ہیں جہاں فنکاروں کو بہانے بہانے سے ملنا چاہیے تاکہ ایک دوسرے کے مسائل سے آگاہ رہیں۔ عائشہ آپا کے بعد حمیرا کی وفات سے ہماری آنکھیں اب کُھل جانی چاہییں۔‘

قدوسی صاحب کی بیوہ جیسا مشہور ڈرامہ بنانے والے ڈائریکٹر فصیح باری خان کہتے ہیں کہ ’المیہ یہ ہے کہ ہم فوراً ہر چیز کو تنہائی یا اکیلے رہنے سے

جوڑ دیتے ہیں۔ہم یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ کئی لوگ تنہا رہتے ہیں مگر مضبوطی سے جیتے ہیں؟ یہ بات بھی ٹھیک نہیں کہ صرف اس لیے کسی کی تنہائی کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ وہ عورت ہے اور اکیلی رہتی تھی۔'

فصیح باری نے مزید کہا کہ 'وہ لڑکی اپنے خواب لے کر ایک شہر سے دوسرے شہر آئی تھی، خود کو منوانے نکلی تھی، اور وہ آخر وقت تک حالات سے لڑی۔'

'ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اداکاروں سے محبت تو کرتے ہیں، ان جیسے کپڑے پہنتے ہیں، مگر جب وہ مشکل میں ہوتے ہیں تو انہیں اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔'

اداکارہ اور ماڈل جیا علی نے بھی دیگر فنکاروں کی طرح حمیرا کے کیس پر براہ راست بات کرنے سے تو گریز کیا لیکن انھوں نے ایک اور اہم نکتہ اٹھایا۔

جیا علی نے کہا کہ 'میں نہیں مانتی کہ شوبز فنکار کام نہ ملنے کی وجہ سے ذہنی دباؤ میں آجاتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ کام کی زیادتی کی وجہ سے اپنی ذہنی اور جسمانی صحت کا خیال نہیں رکھ پاتے، آج کے دور میں ذہنی دباؤ اور ڈپریشن ایک حقیقت ہے، ایک خاص عمر کے بعد اس نمٹنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔'

پاکستانی ٹی وی کے سینیئر اور معروف اداکار بہروز سبزواری نے بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے کہا کہ 'بات یہ ہے کہ ایسی بہت سی بچیاں ہیں جو اسلام آباد، لاہور اور پنجاب کے مختلف شہروں سے کراچی آتی ہیں۔ یہاں رہ کر کام سیکھتی ہیں اور بہت محنت سے کام کرتی ہیں۔'

سینیئر فنکار خالد انعم نے بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے کہا کہ یہ واقعی ایک افسوسناک اور دردناک سانحہ ہے۔کام ملنا یا نہ ملنا اپنی جگہ، لیکن انسان کا رشتہ اپنے ایمان، محنت، اور نصیب سے جڑا ہوتا ہے۔ہم سب کو سوچنا چاہیے کہ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ انسان تنہائی کو چن لیتا ہے یا معاشرتی رشتوں سے کٹ جاتا ہے۔'

انھوں نے کہا کہ 'میری گزارش ہے کہ ایسی بدقسمت خبروں کو سنسنی خیز نہ بنائیں، لاش کی وڈیوز اور تصویریں نہ پھیلائیں، اور بجائے تماشا بنانے کے، دعا کریں اور خود کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ معاشرے کی اصلاح ہمیں خود کرنی ہے، ہمیں اپنے رویے اور عادات بدلنی ہوں گی۔'

شوبز انڈسٹری کے دیگر فنکاروں کی طرح ژالے سرحدی بھی حمیرا کی موت پر دکھ کی کیفیت میں تھیں۔ بی بی سی سے بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ 'ہمیں سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیے کہ حمیرا کے آخری دنوں میں ان پر کیا گزری۔ چاہے مسئلے ذاتی ہوں یا پیشہ ورانہ، اس وقت ان پر تبصرہ کرنا مناسب نہیں۔'

اداکار و گلوکار محسن عباس ان فنکاروں میں سے ایک ہیں جو لاہور سے نقل مکانی کر کے کراچی میں شوبز انڈسٹری کے لئے طویل عرصے تک کام کرتے رہے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ 'عائشہ آپا کے بعد سے اب حمیرا کی خبر نے دل دہلا دیا ہے۔ یہ بہت تکلیف دہ اور خوفناک بات ہے کہ ہم سب اتنے مصروف ہوگئے ہیں کہ ایک دوسرے سے رابطے میں ہی نہیں رہتے۔ خاص طور پر وہ فنکار جو دوسرے شہروں سے آکر کراچی میں اکیلے رہتے ہیں، ان کی حالت اور زیادہ نازک ہوتی ہے۔'

اُن کا کہنا ہے کہ 'میں نے خود بھی کچھ دن پہلے سوچا کہ صرف پروفیشنل کالز لوں، ذاتی بات چیت سے دور رہوں، لیکن حمیرا کی خبر کے بعد میں نے وہ سٹیٹس ڈیلیٹ کردیا، کیا پتا کوئی مدد کے لیے رابطہ کرنا چاہ رہا ہو؟'

کراچی میں حالیہ دنوں میں ایسا دوسرا واقعہ ہے جہاں اکیلی رہنے والی ایک ادکارہ کی لاش ملی ہو۔ اس سے پہلے عائشہ حان نامی سینیئر اداکارہ کی موت پر بھی سوشل میڈیا شدید ردِعمل سامنے آیا تھا۔

یاد رہے کہ رواں سال جون میں معروف سینئر پاکستانی ادکارہ عائشہ خان کی ان کے گھر سے 7 روز پرانی لاش ملی تھی۔اُن کی عمر 76 برس تھی۔

پولیس کے مطابق عائشہ خان کی طبعی موت واقع ہوئی تھی۔اداکارہ عائشہ خان گلشن اقبال بلاک 7 نجیب پلازہ میں واقع اپنے فلیٹ میں اکیلی رہتی تھیں اور فلیٹ سے تعفن اٹھنے پر اہل محلہ نے پولیس کو بلایا تھا۔ جب لوگ ان کے فلیٹ کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے تو اداکارہ گھر میں مردہ حالت میں پائی گئیں۔

ہولوکاسٹ سے غزہ نسل کشی تک

’مغرب نے ہمیشہ خوفناک جرائم کی سہولت کاری کی ہے‘

90 یا اس سے بھی کچھ سال قبل، مغربی لبرل اسٹیبلشمنٹ نے نسل کشی کی راہ پر گامزن نازی جرمنی کو کافی حد تک نظر انداز کیا جس نے یہودیوں، کمیونسٹ، سوشلسٹ، روما (خانہ بدوش)، ہم جنس پرستوں اور ان لوگوں کو نشانہ بنایا جو ذہنی یا جسمانی طور پر معذور سمجھے جاتے تھے۔
دانستہ یا نادانستہ طور پر ان مغربی رہنماؤں نے قتلِ عام کے کیمپوں اور منظم نسل کشی کی سہولت کاری کی جو کہ دوسری جنگ عظیم کے سب سے زیادہ قابلِ مذمت پہلوؤں میں سے ایک ہے۔

اس جنگ کے خاتمے کا جشن، برائی پر اچھائی کی فتح کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یہ دعویٰ مضحکہ خیز نہیں لیکن حیرت ہوتی ہے کہ جب بھی امتحان کا وقت ہوتا ہے تو کیوں مغرب اپنے ’دوبارہ کبھی نہیں‘ کے وعدے کو بھول جاتا ہے۔ شاید یہ دوغلہ پن پہلے اتنا زیادہ واضح کبھی نہیں تھا جتنا کہ یہ اکتوبر 2023ء کے بعد سے ہے کہ جب حماس کے مظالم کو دریائے اردن سے مشرق وسطیٰ کے علاقے تک یہودیوں کے لیے صہیونی ریاست بنانے کے خواب کو پورا کرنے کے لیے ایک بہانے کے طور پر استعمال کیا۔

یہ زمین سے جبری طور پر بیدخل کرنے اور قتلِ عام کا وہی عمل ہے جس کا آغاز 1948ء میں ہوا تھا۔ تاہم اب پوری آبادی کا صفایا کرنے کا ہدف قریب تر نظر آتا ہے کیونکہ اب صہیونیوں کو انہی ممالک کی حمایت حاصل ہے جو کبھی نازیوں کے خلاف لڑتے تھے اور اب نسل کشی ممکن بنانے میں مدد کر رہے ہیں۔

یہاں تک کہ جرمنی جو ہولوکاسٹ کا ذمہ دار تھا، آج جو کچھ ہو رہا ہے، اس میں یہ دیکھنے سے قاصر ہے کہ تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔ ممکنہ طور پر ان کی سیاسی اشرافیہ اس لیے آنکھیں بند کیے ہوئے ہے کیونکہ آج نسل کشی انجام دینے والے انہیں لوگوں کی اولاد ہیں جنہوں نے کبھی نازیوں کے مظالم برداشت کیے تھے۔

ساتھ ہی غزہ میں نسل کشی کے خلاف مظاہرے کرنے والے لوگوں میں ایسے لوگوں کو دیکھنا بھی انتہائی متاثر کن ہوتا ہے جو ہولوکاسٹ کے وقت شیر خوار یا کم عمر تھے یا وہ ان کی نسل جو نازی مظالم میں زندہ بچ گئے تھے۔ کاش ایسی آوازیں صرف مخصوص نہ ہوں بلکہ عام ہو جائیں۔ ایک دور تھا جب یہ تصور کرنا ممکن تھا کہ صہیونی عزائم کے خلاف مزاحمت کا آغاز اسرائیل سے ہی ہوگا۔ اب یہ پرانا تصور ایک ایسا خواب بن گیا ہے جو کبھی سچ نہیں ہو سکتا۔

اسرائیل یرغمالیوں کو بچانے کے لیے جنگ بندی کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن غزہ میں روزانہ کی بنیاد پر ہونے والے نقصانات کے بارے میں بہت کم اسرائیلی پریشان نظر آتے ہیں جہاں خوراک، پانی یا طبی امداد کے انتظار میں قطار میں کھڑے بچے روزانہ اسرائیلی فوج کی گولیوں کا نشانہ بنتے ہیں۔

گزشتہ اتوار کو آسٹریلوی شہر سڈنی میں فلسطین کے لیے نکالی جانے والی ہفتہ وار ریلی کے پلے کارڈز میں سے ایک پر لکھا تھا، ’وہ بہت احمق ہیں جو سمجھتے ہیں کہ نسل کشی کرنا اپنا دفاع ہے‘۔ ریلی کی تقاریر میں اسرائیل کی مضبوط حامی جلین سیگل کی ایک رپورٹ کے بارے میں بھی بات کی گئی تھی جنہیں آسٹریلوی حکومت نے یہود مخالف رجحانات کم کرنے کے لیے ایلچی کے طور پر منتخب کیا ہے۔

ان کی رپورٹ کو ماہرین اور صحافیوں نے یکساں طور پر اسرائیل پر تنقید کو خاموش کرنے کی کوشش کے طور پر بیان کیا ہے اور انہیں تنقید کا نشانہ بنایا ہے جبکہ اس میں یہود دشمنی رجحانات کی ایسی تعریف استعمال کی گئی ہے جسے اب، بہت سے لوگ تسلیم ہی نہیں کرتے۔

رپورٹ پیش کرتے وقت آسٹریلوی وزیر اعظم انتھونی البانیس بھی جلین سیگل کے ساتھ کھڑے تھے لیکن یہ ابھی تک واضح نہیں ہے کہ آیا حکومت آزادی اظہار کو محدود کرنے کے لیے ان کی قابلِ اعتراض تجاویز پر عمل کرے گی یا نہیں۔ جلین سیگل نے انتہائی دائیں بازو کے لابنگ گروپ سے تعلق سے انکار کیا ہے حالانکہ اسے چلانے میں ان کے شوہر کا بھی ہاتھ ہے۔

یہ ریلی جس میں سب سے زیادہ متاثر کن تقریر ایک نوجوان یہودی کارکن نے کی، اگر جلین سیگل جیسے لوگوں کو موقع ملتا تو شاید اس ریلی کی اجازت کبھی نہ دی جاتی۔ بالکل اسی طرح ٹرمپ انتظامیہ نے آمد کے ساتھ اپنے آمرانہ اقدامات سے فلسطینیوں کے حق میں مظاہروں کو انتہائی مشکل بنا دیا ہے۔ یہ اتنے سخت ہیں کہ خود کو فخریہ صہیونی کہنے والے جو بائیڈن نے بھی ایسے اقدامات نہیں کیے تھے۔

آسٹریلیا کی یونیورسٹیز پر اگر جلین سیگل کی تعریف کی بنیاد پر یہود دشمنی کو نظر انداز کرنے کا الزام لگایا جائے تو شاید وہ بہت سی امریکی یونیورسٹیز کی طرح زیادہ مزاحمت نہ کر پائیں۔ جب اسرائیل پر کسی بھی تنقید کی بات آتی ہے تو بہت سے ثقافتی ادارے پہلے ہی الجھن کا شکار اور محتاط رہتے ہیں اور زیادہ تر میڈیا آؤٹ لیٹس اسرائیلی لابی کے ساتھ لاتعلقی کے لیے جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں۔

برطانیہ میں فلسطین ایکشن گروپ کو ’دہشتگرد تنظیم‘ قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ کام تو آئی ڈی ایف کے ساتھ کیا جانا چاہیے تھا۔ اور اس مضحکہ خیز فیصلے کے خلاف بولنے والے کو 14 سال تک قید کی سزا ہو سکتی ہے۔

جب فلسطین کی بات آتی ہے تو آزادی اظہار پر نفرت انگیز پابندیاں ماسوائے آئرلینڈ اور اسپین کے، پورے یورپ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ نام نہاد گلوبل ساؤتھ میں اسرائیل کا سب سے بڑا اتحادی بھارت ہے جو کبھی فخریہ انداز میں قضیہ فلسطین کا ساتھ دیا کرتا تھا۔

جنوبی افریقہ کی جانب سے کولمبیا کے شہر بگوٹا میں رواں ہفتے طلب کیے جانے والے ’ہنگامی اجلاس‘ میں پاکستان کی بھی نمائندگی متوقع ہے۔ اس اجلاس میں اقوام متحدہ کی خصوصی نمائندہ فرانچسکا البانیس شرکت کریں گی جنہیں حال ہی میں نسل کشی میں ملوث کمرشل کمپنیز کو بے نقاب کرنے کے جرم میں امریکا کی جانب سے پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

آسٹریلوی وزیر اعظم سے ملتے جلتے نام کے برعکس، وہ انسانی حقوق کے تحفظ کی غیر جانبدار چیمپیئن بن چکی ہیں جو کہ دیگر بااثر یورپی ممالک کو ان کے اسرائیل نواز جھکاؤ اور نفرت انگیز بربریت کے بارے میں بہت کچھ سکھا سکتی ہیں۔

اسرائیلی فاشزم کی مخالفت میں اٹھنے والی آوازوں کو خاموش کرنے کی مغرب کی سرکاری کوششیں نہ نئی ہیں اور نہ ہی مکمل طور پر حیران کن ہیں۔ امید کرتے ہیں کہ ایک دن انہیں وہ وہی نظر آئیں گے جو کہ وہ حقیقتاً ہیں۔ دنیا انہیں نسل کشی پر پردہ ڈالنے والے اور اسے روکنے کے لیے انتہائی کم کوشش کرنے والوں کے طور پر دیکھے گی۔

انسانی حقوق اور آزادی اظہار کے لیے کھڑے ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو ان کا پیغام واضح ہے جو کہ ’خاموش رہو اور اسے قبول کرو‘ ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ آنے والی نسلیں ان کی خاموشی اور تعصب کو بزدلی کے طور پر دیکھتی ہیں یا نہیں۔

پاکستان میں مبینہ ٹیکس فراڈ پر گرفتاری سمیت ایف بی آر کے وہ نئے اختیارات جن پر کاروباری افراد فکرمند ہیں

پاکستان میں سنیچر کو صنعت کاروں اور تاجروں کی جانب سے ملک گیر ہڑتال کی گئی۔ ملک کے دو سب سے بڑے شہروں کراچی اور لاہور میں کارخانے، تجارتی مراکز اور مارکیٹوں میں تقریباً نوے فیصد کاروبار بند رہا۔

تاہم ملک کے کچھ شہروں میں کاروباری اور تجارتی سرگرمیاں جاری رہیں جس کی وجہ ملک میں کاروباری افراد پر مشتمل تجارتی اور صنعتی تنظیموں کے درمیان اختلافات تھے۔

پاکستان میں صنعت کاروں اور تاجروں کی ملک گیر تنظیم فیڈریشن آف پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری (ایف پی سی سی آئی) نے حکومت سے مذاکرات کے بعد ہڑتال ختم کرنے کا اعلان کیا۔ جبکہ کراچی اور لاہور میں چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری نے ہڑتال جاری رکھنے کا اعلان کیا جس کے بعد سنیچر کو ان شہریوں میں صنعتی و تجارتی سرگرمیاں بند رہیں۔

مگر اس بندش کی وجہ کیا ہے؟

صنعت کاروں اور تاجروں نے یہ ہڑتال ملک کے نئے مالی سال کے بجٹ میں فنانس ایکٹ میں شامل کیے جانے والے اقدامات کے خلاف کی۔

حکومت نے تاجر تنظیموں سے ہڑتال کے خاتمے کے لیے مذاکرات بھی کیے اور اس سلسلے میں ان کے تحفظات کے لیے ایک کمیٹی بھی بنا دی گئی جس کے بعد ان تنظیموں کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے اور ایک گروپ کی جانب سے ہڑتال جاری رکھنے اور دوسرے کی جانب سے ختم کرنے کا اعلان کیا گیا۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ فنانس ایکٹ میں ایسے کیا اقدامات لیے گئے جس کے بعد کاروباری برادری میں تشویش پیدا ہوئی ہے۔

ملک میں کاروباری افراد کی جانب سے فنانس ایکٹ میں لیے گئے اقدامات میں سے سب سے زیادہ جس چیز کی مخالفت کی گئی ہے وہ ٹیکس قانون میں شامل سیکشن 37 اے اور 37 بی ہیں۔

ٹیکس امور کے ماہر ذیشان مرچنٹ نے بی بی سی کو بتایا کہ یہ سیکشنز فیڈرل بورڈ آف ریونیو (ایف بی آر) کے حکام کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ مبینہ ٹیکس فراڈ پر تحقیقات کر کے اس میں ملوث افراد کو گرفتار کر سکیں۔

انھوں نے بتایا کہ اس کا ایک طریق؟ کار بنایا گیا ہے جس کے تحت کسی پر ٹیکس فراڈ کے شک کی صورت میں حکام اسے بلائیں گے کہ وہ بیان حلفی دے، کاغذات جمع کرائے اور اس کی انکوائری چھ مہینے میں مکمل کرے۔

انھوں نے مزید کہا کہ اس کے بعد اگر کسی پر ٹیکس میں ہیر پھیر کا شک ہو تو انکم ٹیکس کمشنر اس کے لیے رسمی تحقیقات کی منظوری دے گا، ایسے فرد سے مزید دستاویزات طلب کرے گا اور اگر شواہد ناکافی یا کمزور ہوئے تو تحقیقات بند کر دے گا۔

تاہم انھوں نے واضح کیا کہ گرفتاری اس صورت میں ہوگی کہ اگر مبینہ ٹیکس فراڈ پانچ کروڑ روپے سے زیادہ کا ہو، ایف بی آر کی تین رکنی کمیٹی اس گرفتاری کی منظوری دے اور ملزم ایف بی آر کے تین نوٹسز کا جواب نہ دے۔ یا پھر اس کے فرار ہونے یا اس کی جانب سے شواہد ختم کرنے کا اندیشہ ہو۔

ذیشان مرچنٹ نے کہا کہ تحقیقات کے دوران عدالتی وارنٹ کے ذریعے گرفتاری کی جا سکتی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ملزم کو تحریری طور پر بتایا جائے گا کہ اسے کیوں گرفتار کیا جا رہا ہے اور وہ کریمینل کیسز کی طرح اس میں ضمانت کے لیے عدالت سے رجوع کر سکتا ہے۔

تاجر طبقے کی جانب سے فنانس ایکٹ میں ایک اور اقدام پر بھی احتجاج کیا گیا ہے جس میں کسی سودے پر ادائیگی پر دو لاکھ تک کیش ادائیگی کی جا سکتی ہے۔ لیکن دو لاکھ سے زائد پر جو کیش ادا کیا جائے گا، اسے ٹیکس والی آمدنی شمار کیا جائے گا۔

مثلاً اگر تین لاکھ کی کیش ادائیگی کی جائے گی تو دو لاکھ سے اوپر ایک لاکھ روپے میں سے آدھی رقم پر ٹیکس ادا کرنا پڑے گا۔

تاجر تنظیموں کی جانب سے فنانس ایکٹ کے اقدامات کی کیوں مخالفت کی جا رہی ہے؟

فنانس ایکٹ میں اٹھائے گئے جن اقدامات کے خلاف ملک کے کاروباری افراد احتجاج کر رہے ہیں ان کے بارے میں بات کرتے ہوئے کراچی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے صدر جاوید بلوانی نے دعویٰ کیا ہے کہ ملک میں ٹیکس تنازعات اور اس کی چوری پر بننے والے کیسز میں سے 98 فیصد کا فیصلہ ٹیکس دہندگان کے حق میں آتا ہے اور صرف دو فیصد میں ٹیکس چوری ثابت ہوتی ہے۔

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے انھوں نے یہ سوال اٹھایا کہ ٹیکس چوری کے الزام پر گرفتاری ہوگی، بینک اکاؤنٹ منجمد کر دیے جائیں گے اور بعد میں اگر کچھ بھی نہ نکلا تو اس شخص کی عزت اور کاروباری ساکھ کا کیا ہوگا؟

جاوید بلوانی نے کہا یہ ایسے اقدامات ہیں جو تاجر برادری کے لیے بہت تشویش ناک ہیں جس کی وجہ سے کاروباری افراد ہڑتال پر مجبور ہوئے۔

انھوں نے کہا کہ 'دو لاکھ سے اوپر کی کیش ادائیگی پر معیشت کو دستاویزی بنانے کا جو اقدام اٹھایا گیا ہے، وہ بھی بڑا عجیب ہے۔۔۔ اکانومی کو ڈاکیومنٹ کرنے کے لیے ایف بی آر کے پاس انفورسمنٹ کا شعبہ ہے۔ لیکن اس کی جانب سے کوئی کام کرنے کی بجائے ایک نیا اقدام لیا گیا ہے کہ دو لاکھ سے اوپر والی کیش ادائیگی والی رقم پر ٹیکس لگا دیا جائے۔'

انھوں نے کہا کہ جو لوگ آج ٹیکس نیٹ میں شامل ہیں، وہ رضاکارانہ شامل ہوئے ہیں اور جو لوگ ٹیکس ادا کر رہے ہیں انھیں ہی ایسے اقدامات سے پریشان کیا جا رہا ہے۔

کیا کاروباری افراد کی تشویش جائز ہے؟

اس بارے میں ٹیکس ماہرین کا کہنا ہے کہ دراصل ملک میں ٹیکس فراڈ کی تعریف میں ترمیم کی گئی ہے۔

ذیشان مرچنٹ نے بتایا کہ ٹیکس فراڈ میں ہر اس چیز کو شامل کر دیا گیا ہے جس پر پہلے صرف معمولی سزا تھی، جیسے اب غلط انوائس، غلط بینک اکاؤنٹ دینا اور غلط بینک اکاؤنٹ کھولنا سب ٹیکس فراڈ قرار دیے گئے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ 'ٹیکس فراڈ کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے اور اس میں بہت سارے لوگ آئیں گے۔'

مرچنٹ نے اسے 'ڈریکونین قانون' قرار دیتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا کہ اس کا غلط استعمال ہو سکتا ہے۔

ان کی رائے ہے کہ مشکلات ایسے لوگوں کے لیے پیدا ہوں گی جو پہلے سے ٹیکس سسٹم میں ہیں۔ 'جو ٹیکس فراڈ کرتے ہیں وہ ملی بھگت کے ساتھ کرتے ہیں۔ اگر اس پہلو سے دیکھا جائے تو ٹیکس ادا کرنے والا پریشان ہے کہ وہ ٹیکس دے رہا ہے اور پھر بھی مسائل کا شکار ہے اور جو سسٹم کو دھوکہ دے کر ٹیکس نہیں ادا کر رہے، وہ آزاد ہیں۔'

انھوں نے کہا کہ 'سسٹم کو مشکل بنایا جا رہا ہے جس کی وجہ سے خدشہ ہے کہ اس سال ٹیکس ریٹرن جمع کروانے والوں میں کمی ہو سکتی ہے۔'

مسٹر مرچنٹ نے کہا کہ 'دو لاکھ سے زائد کیش والا اقدام معیشت کو دستاویزی بنانے کے لیے ٹھیک ہو سکتا ہے تاہم ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایف بی آر ایک دن اٹھے اور کہے کہ فوراً سے یہ کام شروع کر دو۔ ایف بی آر کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو کچھ وقت دے۔'

انھوں نے کہا کہ 'ایف بی آر کو بھی لچک دکھانی ہوگی اور ٹیکس ادا کرنے والوں کو بھی ٹیکس قانون پر زیادہ عمل درآمد کرنا پڑے گا۔'

ٹیکس امور کے ماہر ڈاکٹر اکرام الحق نے اس سلسلے میں بی بی سی کو بتایا کہ کسی ٹیکس فراڈ کے ثابت ہونے کے بعد گرفتاری کرنا مناسب ہے تاہم اس سے پہلے گرفتاری صحیح نہیں ہے جس کی وجہ سے تاجر احتجاج کر رہے ہیں۔'

انھوں نے دو لاکھ سے زائد کیش پر ٹیکس کے معاملے پر رائے دی کہ 'حکومت ریٹیلرز پر تو ٹیکس نہیں لگا سکی، اس لیے ڈیجیٹیل موڈ پر زور دے رہی ہے۔ تاہم یہ کام ایک دم نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے پہلے ایسا انفراسٹرکچر بنانا پڑے گا اور سہولیات فراہم کرنا ہوں گی کہ لوگ نقد معیشت سے ڈیجیٹل معیشت کی طرف مائل ہوں۔'

فنانس ایکٹ کے اقدامات پر حکومت کا کیا موقف ہے؟

بی بی سی نے اس معاملے میں وزیر اعظم کے کوآرڈینیٹر برائے تجارت راں ااحسان افضل سے بات کی ہے جو حکومتی کمیٹی کا حصہ ہیں اور کاروباری افراد سے مذاکرات کے عمل میں شامل ہیں۔

رانا احسان کا کہنا ہے کہ فنانس ایکٹ میں جن ٹیکس قوانین پر کاروباری افراد اعتراضات کر رہے ہیں ان میں ٹیکس فراڈ میں گرفتاری قابل ذکر ہے۔ 'اس سلسلے میں مختلف مراحل ہیں اور غلط انوائسنگ پر ٹیکس فراڈ میں ملوث کسی شخص کو تین نوٹس بھیجے جائیں گے اور اس کی گرفتاری میں عدالت بھی شامل ہوگی۔'

اگر آپ طیارے سے سفر کر رہے ہیں تو کراچی سے لاہور یا اسلام آباد پہنچنے میں آپ کو تقریباً دو ڈھائی گھنٹے لگ جاتے ہیں اور اگر یہی سفر ٹرین کے ذریعے ہو تو آپ کو کم سے کم 18 سے 20 گھنٹے لگتے ہیں۔

لیکن دنیا میں ایسے بھی ممالک ہیں جہاں یہ طویل فاصلے ٹرین کے ذریعے تین، چار گھنٹوں میں طے ہو رہے ہیں۔ اس معاملے میں جاپان اور فرانس سرفہرست رہے ہیں جہاں سینکڑوں کلومیٹر کا فاصلہ گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔

ریلوے نیٹ ورک میں بڑے شہروں کے درمیان 'ایک مرکز سے دوسرے مرکز تک رابطے' کے طور پر کام کرے گی۔

مثال کے طور پر ابھی بیجنگ سے شنگھائی کے درمیان کا 1200 کلومیٹر کا فاصلہ ساڑھے پانچ گھنٹے میں طے کیا جاتا ہے، جو اس نئی ٹرین کے متعارف ہونے کے بعد صرف ڈھائی گھنٹے میں طے کیا جا سکے گا۔

سی آر آر سی کے سینیئر انجینیئر شاؤ نن کا کہنا ہے کہ سپر کنڈکٹنگ الیکٹرک ہائی سپیڈ مقناطیسی لیویٹیشن ٹیکنالوجی زیادہ ماحول دوست ٹرانسپورٹ ہے اور

ساتھ زمین پر اڑنے والی سواری ہوگی'۔

مصنف، یوٹیوبر اور بلاگر ایلیکس نے اسے 'الٹرا ہائی سپیڈ ٹرین' قرار دیا ہے۔ بہت سے لوگوں نے اسے بعض کمرشل فلائٹوں سے بھی زیادہ تیز قرار دیا ہے۔

ماسیمو نامی ایک انجینیئر نے ایکس پر لکھا کہ یہ سائنس فکشن نہیں ہے، یہ انتہائی تیز رفتار سفر کا اگلا مرحلہ ہے۔ مقناطیسی لیویٹیشن ٹیکنالوجی اور پٹریوں کے ساتھ صفر جسمانی رابطے کے ساتھ، نقل و حمل کا مستقبل صرف تیز

اسلام آباد سے کراچی کا سفر صرف 4 گھنٹے میں

چین کی 600 کلومیٹر فی گھنٹہ میگلیو ٹرین۔۔۔ مستقبل کی تیز ترین زمینی سواری 2025 تک کمرشل سفر ممکن؟

لیکن گذشتہ دنوں چین کے دارالحکومت بیجنگ میں منعقدہ ایک نمائش میں ایک ایسی ٹرین کی رونمائی کی گئی ہے جس کی زیادہ سے زیادہ رفتار 600 کلومیٹر فی گھنٹہ ہے، یعنی آپ اس کے ذریعے کراچی سے لاہور بس دو سوا دو گھنٹے میں پہنچ جائیں گے۔

بی بی سی اردو کے فیچر اور تجزیے براہ راست اپنے فون پر ہمارے واٹس ایپ چینل سے حاصل کریں۔ بی بی سی اردو واٹس ایپ چینل فالو کرنے کے لیے کلک کریں۔

چینی سرکاری میڈیا سی سی ٹی وی نے ایک ایسی ٹرین کو دکھایا ہے جس کی رونمائی گذشتہ دنوں چائنہ انٹرنیشنل ماڈرن ریلوے ٹیکنالوجی اینڈ ایکیوپمنٹ کی 17 ویں نمائش کے دوران کی گئی۔

چینی اخبار دی پرنٹ کے مطابق اس میگلیو (یعنی مقناطیسی لیویٹیشن والی) ٹرین کو چائنا ریلوے رولنگ سٹاک کارپوریشن (سی آر آر سی) نے تیار کیا ہے۔ ٹرین ایک سلیک، ایروڈائنامک شکل کی ہے جس کی نوکیلی ناک ہے تاکہ ہوا کی رکاوٹ کو کم کیا جا سکے۔

سرکاری نشریاتی ادارے سے جاری ویڈیو میں مستقبل کی اس ٹرین کے اندرونی حصے کو دکھایا گیا ہے جس میں ایک بڑی ویڈیو سکرین نظر آتی ہے۔

رونمائی کے موقع پر اس کمپنی کے نمائندوں نے بتایا کہ انجینیئرنگ کا پہلا مرحلہ گذشتہ سال جولائی میں مکمل ہوا تھا۔ ٹرین کے کمرشل سروس میں جانے سے پہلے مزید روٹ، سیفٹی ٹیسٹ اور انجینیئرنگ کے قابل عمل ہونے کے جائزے لیے جائیں گے۔

شنگھائی میں واقع نیوز سائٹ دی پیپر کے مطابق یہ ٹرین موجودہ

یہ ایندھن کی بچت کا وعدہ بھی کرتی ہے۔

اس کے فوائد میں تیز رفتاری، کم شور اور کاربن کا صفر اخراج شامل ہیں۔

اس کے علاوہ طویل مدتی لحاظ سے اس کی دیکھ بھال کا خرچ بھی کم ہے۔

مقناطیسی لیویٹیشن سُپر کنڈکٹنگ مقناطیس ریل اور ٹریک کے درمیان برقی مقناطیسی انڈکشن کا استعمال کرتا ہے، جس سے ٹرین پٹریوں سے اوپر اٹھ کر چل سکتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ٹرین میں نصب ربڑ کے پہیے اسے اڑائے لیے جا رہے ہیں۔

ساؤتھ چائنا مارننگ پوسٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق شاؤ نے بتایا کہ ففتھ جنریشن نیٹ ورک کمیونیکیشن، مصنوعی ذہانت کے ذریعے ویڈیو بنانے کی صلاحیت اور ایکوسٹک سینسنگ کے انضمام جیسی مختلف ٹیکنالوجیوں کی وجہ سے یہ نئی ٹرین مکمل طور پر خودکار ڈرائیونگ کی صلاحیتوں سے لیس ہے۔

اس سے قبل 20 اکتوبر 2022 کی سائنس اینڈ ٹیکنالوجی ڈیلی کی ایک رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ چینی انجینیئروں نے دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے ایک ایسا تجرباتی نظام تیار کیا ہے جس میں کسی ٹیوب کے اندر ایک ٹرین کی رفتار کو فی گھنٹہ 1000 کلومیٹر تک بڑھایا جا سکتا ہے جو کہ موجودہ میگلیو ٹرین سے بھی کہیں زیادہ تیز ہوگی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ایسی ٹرین بنا رہے ہیں جو زمین پر ہی اڑ رہی ہوگی اور اس کی رفتار طیارے کی رفتار کے برابر ہوگی۔

سوشل میڈیا ویب سائٹ ایکس پر چینی ٹک ٹاکر ژانگ میفانگ نے اس کا تعارف پیش کرتے ہوئے کہا کہ 'یہ ریل گاڑی کے آرام کے ساتھ

نہیں ہے بلکہ بغیر فرکشن کے ہے۔

سب سے پہلے یعنی سنہ 1964 میں جاپان نے ہائی سپیڈ ٹرین (ایچ ایس آر) چلائی تھی جسے حرف عام میں 'بلٹ ٹرین' کہا گیا اور یہ ٹوکیو سے اوساکا کے درمیان چلی تھی۔

اس کے بعد سنہ 1977 میں اٹلی میں ایسی ہی ہائی سپیڈ ٹرین متعارف کروائی گئی۔ پھر کیا تھا دیکھتے ہیں دیکھتے فرانس، جرمنی، سپین، برطانیہ، جنوبی کوریا اور تائیوان میں بھی ہائی سپیڈ ٹرینیں نظر آ ئیں۔

چین میں پہلی ہائی سپیڈ ٹرین سنہ 2008 میں پہلی بار نظر آئی لیکن اس کے بعد سے وہاں تیز رفتار ٹرین پر بہت کام ہوا لیکن آج تین تیز ترین ریل گاڑیاں چین کے پاس ہی ہیں۔

اس کی ٹرین شنگھائی میگلیو پہلی مقناطیسی لیویٹیشن پر مبنی ٹرین ہے جو کہ 460 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار حاصل کر سکتی ہے۔ اس کے بعد اس کی سی آر 450 ہے جو کہ ابھی تیاری کے مرحلے میں ہے۔ لیکن وہاں سی آر 400 سب سے زیادہ استعمال کی جاتی ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ رفتار 350 کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔

اس کے علاوہ فرانس کی ٹی وی جی ٹرین 320 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والی پہلی ٹرین تھی۔ جاپان کی شنکانسین ریل گاڑی جاپان میں ہائی سپیڈ ٹرین کی موجد سمجھی جاتی ہے جو 320 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہے۔

یہ تمام ریل گاڑیاں بلٹ ٹرین کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ انڈیا میں بھی اسے لانے کی کوشش جاری ہے لیکن ابھی اس پر کام ہو رہا ہے۔

کراچی کی تنگ گلیوں میں کثیر المنزلہ مخدوش عمارتیں اور 'پگڑی' کا نظام

'اب سر پر چھت نہیں رہی، اِس بڑھاپے میں کہاں جاؤں'

پرویز بلوچ کراچی کے علاقے لیاری کے محلے نیا آباد میں ایک کمرے کے فلیٹ میں کرائے پر رہتے ہیں، کثیرالمنزلہ رہائشی عمارت کی چوتھی منزل پر واقع یہ چھوٹا سا فلیٹ انتہائی خستہ حال ہے۔

پرویز بیروزگار ہیں اور اُن کا بیٹا گھر کا واحد کمانے والا ہے جو محنت مزدوری کرتا ہے۔ تاہم اب ان پر نئی افتاد یہ آن پڑی ہے کہ پرویز سمیت اس عمارت کے تمام مکینوں کو اب یہ عمارت خالی کرنے کا کہا گیا ہے۔

بی بی سی اردو کے فیچر اور تجزیے براہ راست اپنے فون پر ہمارے واٹس ایپ چینل سے حاصل کریں۔ بی بی سی اردو واٹس ایپ چینل فالو کرنے کے لیے کلک کریں۔

کراچی میں حکام کی جانب سے محلہ نیا آباد میں آٹھ عمارتوں کو 'رہائش کے لیے خطرناک' قرار دیا گیا ہے۔ یہ عمارتیں لیاری کی اُن 54 عمارتوں میں شامل ہیں جن کو سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کی جانب سے حال ہی میں نوٹس جاری کیے گئے ہیں۔

پرویز نے بی بی سی اُردو سے بات کرتے ہوئے اپنے فلیٹ کی چھت دکھائی اور کہا کچھ عرصہ پہلے یہ چھت گر گئی تھی جس کی مرمت حال ہی میں انھوں نے خود کروائی ہے۔

'اب ہمیں کہا جا رہا ہے کہ فلیٹ خالی کریں۔ مگر یہ نہیں بتایا جا رہا کہ اسے خالی کر کے کہاں جائیں؟ ہمیں کوئی جھونپڑی ہی دے دیں۔ پہلے یہ افسر لوگ فائلوں پر دستخط کر کے اجازت دے دیتے ہیں کہ جاؤ جا کر دس منزلیں بناؤ، بعد میں سارا بوجھ رہائشیوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔'

یاد رہے کہ کراچی میں چار جولائی کو بغدادی کے علاقے میں ایک رہائشی عمارت گرنے کے نتیجے میں ہونے والی 27 ہلاکتوں کے بعد شہر بھر میں 'خستہ حال اور خطرناک' قرار دی گئی عمارتوں کے خلاف آپریشن جاری ہے۔ صوبائی حکومت کا کہنا ہے کہ تا حال نو عمارتیں خالی کروائی جا چکی ہیں جبکہ ایک عمارت کو منہدم کر دیا گیا ہے۔

ریکارڈ کے مطابق یہ تمام عمارتیں 80 گز سے لے کر 240 گز تک کے سائز کی ہیں اور اُن میں سے بیشتر چھ منزلوں تک بلند ہیں۔ تنگ سیڑھیوں اور چھوٹے چھوٹے فلیٹس والی ان عمارتوں میں نہ تو ہوا کا گزر ہے اور نہ ہی روشنی کا باقاعدہ انتظام۔ بیشتر عمارتوں میں سوریج کی لائنیں زیر زمین ہونے کے بجائے گلیوں اور راہداریوں میں پڑی ہوئی ہیں جبکہ ان فلیٹس کی بالکونیوں اور واش رومز میں سریے کے ڈھانچے نظر آتے ہیں۔

بغدادی تھانے میں عمارت گرنے کا مقدمہ درج کیا گیا ہے جس حوالے سے ایس ایس پی وسطی عارف عزیز نے بی بی سی کو بتایا کہ اس مقدمے میں عمارت کے مالک اور سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے بعض افسران کو نامزد کیا گیا ہے۔ نامزد افراد میں سے مالک سمیت سات افراد کو پولیس نے حراست میں بھی لیا ہے۔

کراچی کے پرانے علاقوں میں زیادہ تر لوگ 'پگڑی' کے نظام کے تحت رہتے ہیں۔ یعنی ایک بڑی رقم ایڈوانس ادا کر دی جاتی ہے جس کے بعد چار، پانچ سو سے لے کر ایک ہزار روپے تک کا کرایہ ادا کیا جاتا ہے۔

یہ کرایہ دار زیادہ تر کم آمدنی والے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور گزر اوقات کے لیے محنت مزدوری کرتے ہیں۔

سنہ 1983 میں بنائی گئی 'امینہ منزل' پر بھی سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کی جانب سے ایک انتباہی بینر لگایا گیا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو سرکاری اہلکاروں کی جانب سے رہائشیوں کو عمارت فوراً خالی کرنے کے لیے کہا جا رہا تھا۔

وہاں موجود حمیدہ بی بی نے بی بی سی کو بتایا کہ وہ شادی کے بعد بیاہ کر اسی بلڈنگ میں آئی تھیں۔ یہ عمارت چند روز قبل کراچی میں آنے والے زلزلے کے ایک جھٹکے سے لرز اٹھی تھی۔ یہ واقعہ پیش آنے کے بعد یہاں رہنے والوں کو کہا گیا کہ عمارت خالی کر دیں، لیکن وہ راضی نہیں ہوئے۔

حمیدہ بی بی کے مطابق 'ہم نے بلڈنگ کنٹرول والوں کو کہا ہے کہ آپ عمارت کو سیل نہ کریں، ہم خود اسے گرا کر دوبارہ تعمیر کر لیں گے۔'

چھ منزلہ امینہ منزل میں فلیٹوں کی گیلریاں تک گل چکی تھیں جن میں واضح طور پر سریے نظر آ رہے تھے جو زنگ آلودہ تھے۔

بی بی سی نے حمیدہ بی بی سے سوال کیا کہ جب حکام نے اس کو 'خطرناک' قرار دیا تو اس کی مرمت کیوں نہیں کروائی گئی؟ جس کے جواب میں انھوں نے دعویٰ کیا کہ 'یہاں پانی کھارا ہے جو عمارت کو گلا رہا ہے۔'

لیاری کے علاقے بغدادی میں عمارت کے ملبے میں 27 افراد دب کر ہلاک ہوئے تھے جن میں جمعہ دیو جی مہیشوری کے خاندان کے چھ لوگ بھی شامل تھے۔ دیو جی اِن دنوں تنہا اور بے گھر اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔

اُن کے دو بیٹے، بیٹوں کی بیویاں، ایک پوتی اور دیو جی کی اپنی اہلیہ اس واقعے میں ہلاک ہوئے تھے۔ اُن کے ایک بیٹے کی شادی محض 10 مہینے پہلے ہی ہوئی تھی۔

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ 'اگر عمارت کمزور ہوتی تو اس بلڈنگ کا مالک کبھی اپنی فیملی کے ہمراہ یہاں نہ رہتا۔ اس حادثے میں مالک کی فیملی کے بھی لوگ ہلاک ہوئے ہیں۔ یہاں پانچ فلور ہیں اور ہر فلور پر چار فلیٹس۔ اگر متعلقہ حکام کی جانب سے نوٹس دیے جاتے تو کسی کو تو پتہ ہوتا۔ اگر حکومت نے نوٹس دیے ہیں تو سامنے لائیں۔۔۔ یہاں غریب کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی، اب سر پر چھت نہیں ہے، اِس بڑھاپے میں کہاں بھٹکوں۔'

بغدادی میں منہدم ہونے والی عمارت اور اِس کے آس پاس کی عمارتوں کے درجنوں رہائشی اِس وقت اپنے عزیز و اقارب کے پاس موجود ہیں۔ سنجے مہیشوری متاثرہ عمارت کے برابر والی عمارت میں رہتے تھے، یہ فلیٹ اُن کے دادا نے پگڑی پر لیا تھا۔

انھوں نے کہا کہ وہ چار ہی روز میں گھر سے سڑک پر آ گئے ہیں، اب کسی سے قرضہ لے کر ایڈوانس دیں گے اور کرائے پر گھر لیں گے۔

بغدادی میں عمارت کے متاثرین کے حوالے سے صوبائی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ معاوضہ اصل مالکان کو ادا ہو گا جبکہ متاثرہ کرایہ داروں کو کم از کم تین ماہ کا کرایہ دیا جائے گا، لیکن یہ کتنا ہو گا ابھی اس بات کا تعین نہیں ہوا۔

صوبائی وزیر بلدیات سعید غنی نے اس صورتحال پر بی بی سی سے بات چیت میں کہا کہ انھیں احساس ہے کہ زیادہ تر متاثرہ لوگ کرائے دار ہیں مالکان نہیں۔

'ہمارے پورے پلان میں جو پلاٹ کا مالک، عمارت کا مالک یا بلڈر ہے اس کو ریلیف نہیں دیا جائے گا بلکہ اس سے ریکوری کی جائے گی اور جرمانہ عائد کیا جائے گا، کیونکہ اس کی وجہ سے لوگوں کی جانیں داؤ پر لگیں اور لوگوں کا پیسہ برباد ہوا۔'

سعید غنی نے کہا کہ اُن کی کوشش ہے کہ قوانین سخت بنائے جائیں اور غیر قانونی عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ بند کروایا جائے۔

اس حوالے سے حکومت سندھ نے سعید غنی کی سربراہی میں ایک کمیٹی بھی تشکیل دی ہے جس میں بلڈر، پاکستان انجینیئرنگ کونسل، آرکیٹیکٹس کی تنظیم کا نمائندہ اور دیگر محکموں کے نمائندے شامل ہیں۔

یاد رہے کہ جون 2022 میں بغداری میں گرنے والی عمارت سے تین کلومیٹر دور کھڈہ مارکیٹ میں ایک پانچ منزلہ عمارت گرنے سے 22 افراد ہلاک ہوئے تھے۔

گذشتہ پانچ برسوں میں صرف لیاری میں 76 سے زائد افراد عمارتیں گرنے سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ تاہم کسی ایک بھی کیس میں نہ تو ذمہ داران کا تعین کیا گیا ہے اور نہ ہی کوئی قانونی کارروائی کی گئی ہے۔

اب یہ پہلی بار ہے جب سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے ڈائریکٹر جنرل سمیت دیگر افسران کو معطل کیا گیا ہے۔

دو کروڑ سے زائد آبادی والے شہر کراچی میں رہائش کا فقدان ہے جبکہ حکومت کی جانب سے بنائی گئی ہاؤسنگ سکیمیں محدود ہیں اور شہر سے دور ہیں۔ نتیجتاً لوگ شہر کے وسطی حصے میں رہنا پسند کرتے ہیں جو بلڈرز کے لیے سودمند ثابت ہوتا ہے۔

حکومت کا کہنا ہے کہ اتنی گنجان آبادیوں میں مانیٹرنگ مشکل ہے۔

صوبائی وزیر بلدیات سعید غنی کے مطابق اسی صورتحال کے باعث چھوٹی چھوٹی گلیوں میں بڑی بڑی عمارتیں بن جاتی ہیں، اور اتنے بڑے شہر میں یہ ممکن نہیں رہتا کہ سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے افسران ہر تعمیر ہونے والی نئی عمارت پر چیک رکھ سکیں۔ جبکہ زیادہ تر یہ بھی ہوتا ہے کہ اہلکار تعمیر کے وقت صرفِ نظر اس لیے کرتے ہیں کہ ان کا اس میں معاشی فائدہ ہوتا ہے۔

اُن کے بقول بغدادی میں جو عمارت گری اس کا ایس بی سی اے کے پاس کوئی ریکارڈ نہیں تھا تاہم اس کے باوجود اسسٹنٹ انسپیکٹر سے لے کر ڈائریکٹر تک کی ذمہ داری بنتی ہے کہ جو بھی عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں ان پر نظر رکھیں اور چیک کریں کہ کتنے فلورز کی منظوری لی گئی ہے اور قانون کی کتنی پاسداری کی گئی۔

پاکستان میں وفاقی حکومت نے گذشتہ ایک ماہ کے دوران پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں تین بار اضافہ کیا ہے اور یہ اضافہ ایک ایسے وقت میں کیا جا رہا ہے جب حکومت مسلسل ملکی معیشت کے اشاریوں میں بہتری کا عندیہ دیتے ہوئے دعویٰ کر رہی ہے کہ یہ مستحکم بنیادوں پر استوار ہو چکی ہے۔

حکومت کا کہنا ہے کہ پاکستان میں پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتیں عالمی مارکیٹ میں خام تیل کی قیمتوں سے جڑی ہیں، یعنی سادہ الفاظ میں اگر عالمی سطح پر تیل کی مصنوعات کی قیمتوں بڑھیں گی تو پاکستان میں بھی ایسا ہی ہوگا۔

بی بی سی نے اسی دورانیے میں بین الاقوامی مارکیٹ میں خام تیل کی

284.35 روپے فی لیٹر ہوگئی۔

عالمی مارکیٹ میں خام تیل کی قیمت نے پاکستان میں پٹرول وڈیزل کی قیمت پر کتنا اثر ڈالا؟

پاکستان میں ڈیزل و پٹرول کی مقامی ضرورت کا تقریباً 80 فیصد حصہ درآمد کیا جاتا ہے کیونکہ ملک میں خام تیل کی پیداوار مقامی ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ اسی لیے عالمی مارکیٹ میں تیل کی قیمتوں کا اثر مقامی مارکیٹ پر بھی پڑتا ہے۔

حکومت کی جانب سے بھی جون کے مہینے اور جولائی کے آغاز میں مقامی قیمت میں اضافے کی وجہ خام تیل کی بین الاقوامی قیمت کو قرار دیا گیا

جون کو خام تیل کی قیمت 68 ڈالر فی بیرل تک آ گئی ہے۔

رواں ماہ یعنی جولائی کے پہلے پندرہ دنوں میں عالمی سطح پر خام تیل کی قیمت 68 ڈالر فی بیرل کے لگ بھگ ہی رہی تاہم پاکستان میں 15 جولائی کی رات ایک بار پھر قیمت میں اضافہ کر دیا گیا۔

ایک ایسے وقت میں جب عالمی منڈی میں خام تیل کی قیمت مستحکم ہے، پاکستان میں اس کی قیمتوں میں لگاتار اضافہ کیوں ہو رہا ہے؟

اس کی وجوہات جاننے کے لیے جب ہم نے حکومت کی جانب سے جاری کردہ نوٹیفکیشن اور ڈیزل و پٹرول کی موجودہ قیمت میں ٹیکس اور دوسرے ہیڈز کا جائزہ لیا تو پتا چلا کہ ٹیکس اور دوسرے ہیڈز نکال کر ڈیزل کی

167.51 روپے کا پٹرول آپ کی موٹر سائیکل اور کار کی ٹینکی تک پہنچتے پہنچتے 272.15 روپے فی لیٹر کیوں ہو جاتا ہے؟

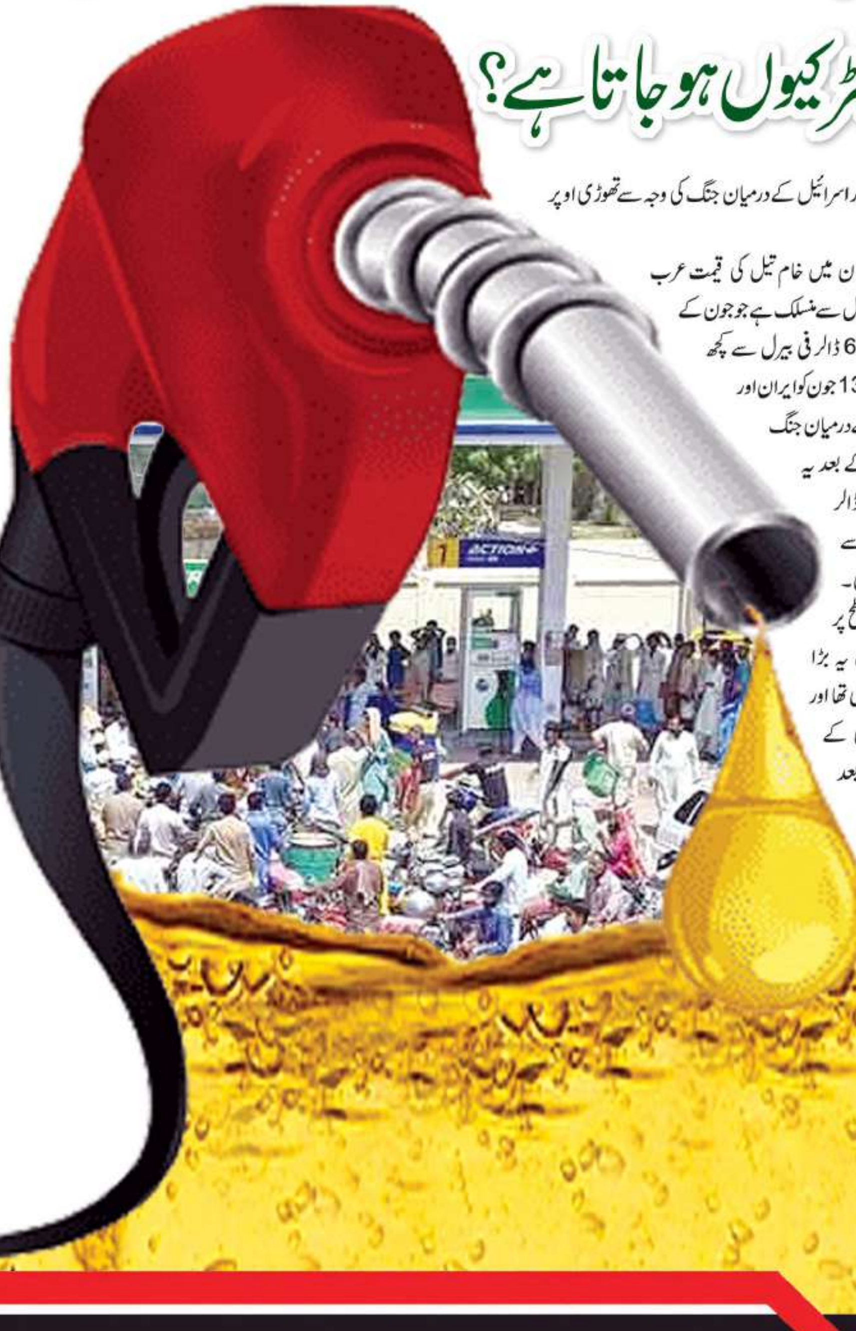

قیمتوں اور پٹرول وڈیزل کی مقامی قیمت میں حصہ ڈالنے والے دیگر عوامل کا جائزہ لیا ہے تاکہ پتہ چل سکے کہ کیا پاکستان میں پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں ہونے والے حالیہ اضافے کا عالمی سطح پر قیمتوں سے کتنا تعلق ہے۔

پاکستان میں ایک ماہ کے دوران پٹرول وڈیزل کی قیمت میں کتنا اضافہ ہوا ہے؟

جون کے مہینے کے آغاز پر پاکستان میں پٹرول کی قیمت 253.63 روپے فی لیٹر جبکہ ڈیزل 254.64 روپے فی لیٹر پر فروخت ہو رہا تھا۔

حکومت پاکستان کی جانب سے اس میں پہلا اضافہ 15 جون کو کیا گیا اور پٹرول کی قیمت 4.80 روپے فی لیٹر جبکہ ڈیزل کی قیمت میں 7.95 روپے فی لیٹر بڑھا دی گئی۔ 30 جون کو ایک بار پھر قیمتوں میں بڑا اضافہ کیا گیا اور پٹرول اور ڈیزل کی قیمت بالترتیب 8.36 روپے اور 10.39 روپے فی لیٹر تک بڑھائی گئی۔ اسی طرح 15 جولائی کو پٹرول کی قیمت میں 5.36 روپے اور ڈیزل کی قیمت میں 11.37 روپے کا اضافہ کیا گیا۔

اس طرح لگ بھگ ایک ماہ کے دورانیے میں پٹرول کی قیمت 18.52 روپے فی لیٹر کے مجموعی اضافے کے بعد 272.15 روپے فی لیٹر ہوگئی جبکہ ڈیزل کی قیمت میں 29.71 روپے فی لیٹر کے اضافے کے بعد

جو ایران اور اسرائیل کے درمیان جنگ کی وجہ سے تھوڑی اوپر چلی گئی تھی۔

پاکستان میں خام تیل کی قیمت عرب لائٹ خام تیل سے منسلک ہے جو جون کے آغاز پر 60 ڈالر فی بیرل سے کچھ زیادہ تھی۔ 13 جون کو ایران اور اسرائیل کے درمیان جنگ کے آغاز کے بعد یہ قیمت 75 ڈالر فی بیرل سے تجاوز کر گئی۔ تاہم عالمی سطح پر قیمتوں میں یہ بڑا اضافہ عارضی تھا اور جنگ بندی کے اعلان کے بعد یعنی 24

اصل قیمت 177.89 روپے فی لیٹر ہے، جو پندرہ روز پہلے بھی اتنی ہی تھی۔ اسی طرح پٹرول کی فی لیٹر قیمت بھی 167.51 روپے فی لیٹر ہے جو 15 روز پہلے 165.30 روپے تھی۔

تاہم حکومت کی جانب سے ڈیزل کی قیمت میں 'ایکسچینج ریٹ ایڈجسمنٹ' کی مد میں 7 روپے فی لیٹر ڈالے گئے اور پٹرول کی مد میں یہ ایڈجسٹمنٹ 1.22 روپے فی لیٹر تھی۔ 'ایکسچینج ریٹ ایڈجسٹمنٹ' وہ فرق ہے کہ جب بین الاقوامی مارکیٹ سے تیل خریداری کے وقت جب بینک کو ایل سی کھولنے کے لیے کہا گیا تھا اور اس وقت جو ڈالر ریٹ تھا اور جب ایل سی سیٹل ہوئی تو اس وقت جو ڈالر ریٹ تھا اور اس فرق کو تیل قیمت میں ڈال کر صارفین سے وصول کیا جاتا ہے۔

توانائی شعبے کے ماہر فرحان محمود نے بی بی سی کو بتایا کہ جون کے مہینے میں اسرائیل اور ایران کے درمیان جنگ کی وجہ سے پیدا ہونے والی غیر یقینی صورتحال کی وجہ سے کافی سارا تیل درآمد کر لیا گیا تھا تاکہ اس کی ممکنہ کمی کے خدشے سے نمٹا جا سکے، اور اسی کی وجہ سے یہ صورتحال بنی۔

پاکستان میں تیل کے شعبے میں کام کرنے والی کمپنیوں کی نمائندہ تنظیم 'آئل کمپنیز ایڈوائزری کونسل' کے آئل و گیس ریگولیٹری اتھارٹی کو لکھے گئے خط کے مطابق حکومت نے گذشتہ قیمتوں کے جائزے میں یہ ایڈجسٹمنٹ نہیں کی تھی۔

بی بی سی کے پاس موجود اس خط کے مطابق گذشتہ قیمتوں کے جائزے میں یہ ایڈجسٹمنٹ نہیں کی گئی تھی تاہم اب حکومت نے یہ ایڈجسٹمنٹ کر دی ہے اور یہ عام صارف کے لیے ریٹیل قیمت میں اضافے

کا سبب بنی ہے۔ اسی طرح حکومت نے ان لینڈ فریٹ ایکولائزیشن مارجن یعنی آئی ایف ای ایم میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔

ڈیزل کے لیے آئی ایف ای ایم میں چار روپے فی لیٹر کا اضافہ کیا گیا اور پٹرول میں دو روپے کا اضافی آئی ایف ای ایم شامل کیا گیا۔

فرحان نے بتایا کہ آئی ایف ای ایم پورے ملک میں ڈیزل و تیل کی قیمت کو یکساں رکھنے کے لیے لگایا جاتا ہے اور اس ٹیکس کی ادائیگی ریفائنریوں اور آئل مارکیٹنگ کمپنیوں کو کی جاتی ہے۔

اس شعبے سے منسلک تجزیہ کاروں کے مطابق پٹرولیم مصنوعات پر سیلز ٹیکس کی چھوٹ کی وجہ سے ریفائنریاں اور آئل مارکیٹنگ کمپنیاں ان پٹ ایڈجسٹمنٹ ٹیکس جمع نہیں کر پاتی ہیں اور انھیں آئی ایف ای ایم کے ذریعے مالی فائدہ دیا جاتا ہے تاہم اس کا اثر صارفین کے لیے پٹرولیم مصنوعات کی ریٹیل پرائس میں اضافے کی صورت میں ہوتا ہے۔

ان چیزوں کے علاوہ حکومت پٹرول کی فی لیٹر قیمت پر صارفین سے اس وقت 75.52 روپے کی پٹرولیم لیوی اور ڈھائی روپے فی لیٹر کی

ماحولیاتی سپورٹ لیوی بھی وصول کر رہی ہے۔ اسی طرح ڈیزل کی قیمت میں 74.51 روپے فی لیٹر پٹرول لیوی اور ڈھائی روپے فی لیٹر کی ماحولیاتی سپورٹ لیوی وصول کی جا رہی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ دونوں مصنوعات پر ڈیلرز 8.64 روپے فی لیٹر کا منافع لیتے ہیں اور آئل مارکیٹنگ کمپنیوں کا منافع 7.87 روپے فی لیٹر ہے۔ یہ دونوں صارفین کے لیے ریٹیل قیمت میں شامل ہوتے ہیں اور ان ہی سے وصول کیے جاتے ہیں۔

معاشی بہتری کے دعوؤں کے باوجود عوام کو پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں ریلیف کیوں نہیں مل رہا؟

حکومت کی جانب سے معاشی بہتری کے دعوؤں کے باوجود عام آدمی کی معاشی صورتحال اس وقت مشکلات کا شکار ہے۔

دوسری جانب حکومت کا دعویٰ ہے کہ زرمبادلہ ذخائر 20 ارب ڈالر ہو چکے ہیں تاہم ڈالر کی قیمت میں اس کے ساتھ اضافہ بھی جاری ہے جس کا اثر ملک میں درآمدی چیزوں کی قیمت میں اضافے کی صورت میں نکل رہا ہے جس میں سے ایک ڈیزل و پٹرول کی قیمت بھی ہے۔

پاکستان کے سابق وزیر خزانہ مفتاح اسماعیل نے بی بی سی کو بتایا کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تین سال سے پاکستانیوں کی فی کس آمدنی کم ہو رہی ہے جس کا مطلب ہے کہ اوسطاً پاکستانی غریب ہو رہے ہیں اور ان کی قوت خرید کم ہو رہی ہے۔

لہٰذا اگر حکومت کہہ رہی ہے کہ افراط زر کم ہو رہا ہے تو دوسری جانب اس سے زیادہ تیزی سے پاکستانیوں کی قوت خرید کم ہو رہی ہے جس کی وجہ معیشت میں بڑھوتری کا نہ ہونا ہے۔

انھوں نے کہا موجودہ حکومت نے کوئی ایسی اصلاحات نہیں کیں کہ جس سے معاشی بڑھوتری ہو سکے۔ انھوں نے کہا یہ بات صحیح ہے کہ ملک نے ڈیفالٹ نہیں کیا لیکن حکومت نے ٹیکس، تیل اور بجلی و گیس کی قیمتوں نے جس طرح اضافہ کیا اس نے لوگوں کا خون نچوڑ لیا ہے اور قوت خرید نے ختم کر دی ہے جس کی وجہ سے معیشت میں طلب ختم ہو چکی ہے اور گروتھ 'نہیں ہو رہی۔

انھوں نے تیل کی قیمت پر کہا کہ اس میں ایک تو اس کی بین الاقوامی قیمت ہے اور دوسرا حکومتی ٹیکس ہوتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ڈالر کے مقابلے میں روپے کی قدر گر رہی ہے جبکہ حکومت نے آئی ایم ایف سے وعدہ کیا ہے کہ وہ پیٹرول پر سو روپے فی لیٹر کی لیوی لگائیں گے اور اور پانچ روپے کاربن لیوی۔ انھوں نے 77 روپے تو لگا دیے ہیں باقی آئندہ مہینوں میں لگا دیں گے۔'

معاشی امور کے سینیئر صحافی مہتاب حیدر نے بی بی سی کو بتایا کہ جب تک پاکستان آئی ایم ایف پروگرام میں ہے تو گروتھ نہیں ہوگی اور اس کی وجہ سے بوجھ عام پاکستانیوں پر پڑے گا۔

انھوں نے کہا آئندہ دنوں میں افراط زر میں بھی تھوڑا مزید اضافہ ہو گا جس کا اثر عام آدمی پر پڑے گا۔ مہتاب کے مطابق اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ پاکستانی معیشت جمود کا شکار ہے۔ توانائی کا بحران ہے، ٹیکس جی ڈی پی تناسب نہیں بڑھ رہا۔

ماہر معیشت ڈاکٹر اشفاق حسن نے کہا پاکستان تین سال پہلے والے حالات کی طرف گامزن ہے جب ڈالر کی قیمت بڑھی تھی تو اس کے ساتھ ہر چیز کی قیمت بہت اوپر چلی گئی تھی۔ انھوں نے کہا آئی ایم ایف پروگرام سے گروتھ نہیں آ سکتی، جو اس وقت ملک کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

ماہنامہ کرائم بیورو کراچی

الیکٹرک بائیک پر انقلابی سبسڈی کا اعلان

حکومت کا 9 ارب کا گرین مشن۔ 1 لاکھ سے زائد موٹر سائیکلیں اور رکشے سستے، خواتین کو 25 فیصد کوٹہ، ایندھن کی بچت اور ماحولیاتی بہتری کا دوہرا فائدہ

پاکستان میں سالانہ لگ بھگ 15 لاکھ بائیکس یعنی موٹر سائیکلیں فروخت ہوتی ہیں اور کئی برسوں سے اس صنعت پر ملک کی سب سے بڑی موٹر سائیکل بنانے والی کمپنی 'اٹلس ہنڈا' کی اجارہ داری قائم رہی ہے۔

مگر اب پاکستان میں الیکٹرک وہیکل پالیسی کا مسودہ پیش کیے جانے کے بعد ہنڈا نے اپنی حکمت عملی تبدیل کرتے ہوئے پہلی بار ملک میں رواں برس کے دوران الیکٹرک بائیکس متعارف کرانے کا اعلان کیا ہے۔

الیکٹرک وہیکل پالیسی میں الیکٹرک بائیکس، سکوٹرز اور تھری وہیلرز کے لیے خصوصی سبسڈی کی تجویز دی گئی ہے۔

معاون خصوصی برائے صنعت و پیداوار ہارون اختر نے بی بی سی کو بتایا ہے کہ وزیر اعظم شہباز شریف اس پالیسی کی اصولی منظوری دے چکے ہیں۔ ہارون اختر کے مطابق انھیں امید ہے کہ اگلے ایک ماہ میں یہ پالیسی کابینہ سے بھی منظور ہو جائے گی۔

اگرچہ ملک میں موٹر سائیکل کو 'عام آدمی کی سواری' سمجھا جاتا ہے مگر الیکٹرک بائیکس میں عوامی دلچسپی اُتار چڑھاؤ کا شکار رہی ہے۔

پاکستان میں موٹر سائیکل اسمبلرز کی ایسوسی ایشن کے سربراہ صابر شیخ کے مطابق ملک میں اس وقت کم از کم 10 چینی کمپنیاں الیکٹرک سکوٹرز اور بائیکس اسمبل کر رہی ہیں جن کی ماہانہ سیلز یا فروخت 50 ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔

الیکٹرک بائیکس پر کتنی سبسڈی دینے کی تجویز ہے؟

حال ہی میں متعارف کرائی گئی الیکٹرک وہیکل پالیسی میں یہ اندازہ لگایا گیا کہ پیٹرول سے چلنے والی بائیکس کے مقابلے ای ویز (الیکٹرک بائیکس) 100 فیصد تک زیادہ مہنگی ہیں۔ قیمتوں میں موجود اسی تفاوت کو ختم کرنے کے لیے کم آمدنی والے طبقے کے لیے ٹو اور تھری وہیلرز کے لیے ایک کاسٹ شیئرنگ سبسڈی دینے کی تجویز ہے۔

وزیر اعظم کے معاون خصوصی برائے صنعت اور پیداوار ہارون اختر نے بتایا ہے کہ اس پالیسی کے تحت الیکٹرک بائیکس اور سکوٹرز کے خریداروں کو 50 ہزار روپے کی سبسڈی اور بینک سے بلا سود قرض مل سکیں گے۔

بی بی سی کو دیے ایک انٹرویو میں انھوں نے تسلیم کیا کہ لوگوں کے لیے خود سے ای ویز (الیکٹرک وہیکلز) کو اپنانا مشکل ہوگا اور اس میں طویل وقت لگے گا۔ انھوں نے مختلف ممالک کی مثالیں دیں جہاں ای ویز کے لیے خصوصی مراعات دی گئی ہیں۔

ہارون اختر نے بتایا کہ 'ہم چاہتے ہیں کہ سنہ 2030 تک الیکٹرک وہیکلز کی تعداد کُل تعداد کا 30 فیصد ہو جائے۔۔۔ سبسڈی دیے بغیر ہم الیکٹرک وہیکلز کی طرف منتقل نہیں ہو پائیں گے۔'

اُن کے بقول خریداروں کو بینک فنانسنگ کے لیے بلا سود قرض دیا جائے گا جس کا خرچ بھی حکومت برداشت کرے گی۔

ان کا کہنا تھا کہ تجویز یہ ہے کہ ابتدا میں خریداروں کو صرف 20 فیصد ادائیگی کرنا ہوگا اور اس میں سے بھی 50 ہزار حکومت پاکستان ادا کر رہی ہو گی، بقیہ 80 فیصد ادائیگی دو سال کی مدت میں کرنا ہوگی۔

وزیر اعظم کے معاون خصوصی نے بتایا کہ منصوبے کے مطابق اگلے پانچ برسوں کے دوران 22 لاکھ سے زیادہ بائیکس کو سبسڈائز کیا جائے گا جس پر حکومت 100 ارب روپے سے زیادہ خرچ کرے گی۔

پاکستان کے مالی سال 2025–26 کے بجٹ میں الیکٹرک وہیکل سکیم کے لیے نو ارب روپے کی سبسڈی مختص کی گئی ہے۔ ہارون اختر خان کے مطابق اس سبڈی کے ذریعے 116,053 الیکٹرک بائیکس اور 3,171 الیکٹرک رکشوں کی فراہمی ممکن بنائی جائے گی۔

اس کے علاوہ اُن کے مطابق 20 ارب روپے کی رقم چارجنگ سٹیشنز کو سبسڈائز کرنے کے لیے مختص کی گئی ہے۔

انھوں نے اس کی وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ 'کوئی بھی چارجنگ سٹیشن پر سرمایہ کاری نہیں کرنا چاہ رہا جب تک ملک میں الیکٹرک وہیکلز کی تعداد نہیں بڑھ جاتی۔ اور صارفین الیکٹرک وہیکلز نہیں لینا چاہ رہے کیونکہ چارجنگ سٹیشن نہیں لگ رہے ہیں۔۔۔ اس لیے ہم نے چارجنگ سٹیشنز کو بھی سبسڈائز کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہم قریب ہر 50 کلومیٹر کے فاصلے پر چارجنگ سٹیشن دیکھنا چاہتے ہیں۔'

تو اس سے خریداروں کو کتنا فائدہ ہوگا؟ اس بارے میں وہ کہتے ہیں کہ 'ابھی ایک پیٹرول موٹر سائیکل کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپے ہے، اگر وہ الیکٹرک خریدتا ہے تو اسے ڈھائی لاکھ روپے کی پڑتی ہے۔ یعنی ڈھائی لاکھ روپے والے دو وہیلر کی قیمت دو لاکھ روپے تک آسکتی ہے، جس کی پھر بلا سود بینک فنانسنگ ہو سکے گی۔'

ہارون اختر نے تھری وہیلرز پر بھی مجوزہ سبسڈی کے بارے میں بھی بتایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک رکشہ پورا دن چلتا ہے اور اس میں قیمت کا فرق زیادہ ہے، آئس انجن پر نیا رکشہ چار لاکھ کا جبکہ الیکٹرک کی قیمت دگنی ہے۔ وہاں سبسڈی چار لاکھ روپے کی ہوگی جبکہ بلا سود قرض دیا جائے گا۔

انھوں نے بتایا کہ اسی طرح چھوٹی الیکٹرک گاڑیوں کے لیے بھی سبسڈی پلان کی گئی ہے۔

کیا اس سے خریداروں کو فائدہ ہوگا؟

لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (لمز) کے پروفیسر نوید ارشد پاکستان میں گاڑیوں، خاص طور پر الیکٹرک وہیکلز کی صنعت پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

انھوں نے بی بی سی کو بتایا کہ سبسڈی دینا اس لیے ضروری ہے تاکہ الیکٹرک بائیکس کی قیمتوں میں کمی لائی جا سکے۔ 'پہلے یہ منصوبہ تھا کہ حکومت اپنے بجٹ سے سبسڈی دے مگر چونکہ پاکستان آئی ایم ایف پروگرام میں ہے، اس لیے پھر سبسڈی کے پیسے اکٹھے کرنے کے لیے کاربن لیوی عائد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔'

مگر وہ کہتے ہیں کہ اس سبسڈی کو سلسلہ وار ختم کیا جائے گا اور پانچ سال تک کوشش کی جائے گی کہ یہ ٹیکنالوجی مین سٹریم ہو جائے۔

مگر پیٹرول کے مقابلے کم لاگت کے باوجود ان مہنگی الیکٹرک بائیکس میں لوگوں کی دلچسپی پر اب بھی ایک سوالیہ نشان ہے۔

پاکستان میں موٹر سائیکل اسمبلرز کی ایسوسی ایشن کے چیئرمین صابر شیخ نے بی بی سی کو بتایا کہ ملک میں عموماً لوگ 70 سی سی کی موٹر سائیکل خریدتے ہیں جس کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپے تھی اور چینی کمپنیوں کی قیمت لوگوں کی قوت خرید کے قریب قریب یعنی ایک لاکھ 10 ہزار روپے تک تھی۔

وہ کہتے ہیں کہ 'لوگ ای وی سکوٹرز خرید نہیں پا رہے تھے کیونکہ ان میں صرف بیٹری کی قیمت ایک لاکھ کے قریب ہوتی ہے۔'

صابر شیخ کا کہنا ہے کہ 'گذشتہ مہینوں کے دوران پنجاب کے بڑے اور چھوٹے شہروں میں ای وی سکوٹرز کی فروخت بڑھی ہے۔ کیونکہ لوگ فلیٹس کی بجائے گھروں میں رہتے ہیں، اسی لیے اُن کے لیے چارجنگ اور پارکنگ آسان ہوتی ہے جبکہ وہاں فاصلے بھی کم ہیں اور سڑکیں بھی قدرے بہتر ہیں۔'

اُنھوں نے کہا کہ انھیں توقع تھی کہ سب سے زیادہ ای وی سکوٹرز کراچی میں فروخت ہوں گے مگر گذشتہ دو برسوں کے دوران ایسا نہیں ہوا۔ اُن کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اکثر اپارٹمنٹس میں رہتے ہیں جہاں چارجنگ کا مناسب انفراسٹرکچر موجود نہیں ہوتا۔

ان کا کہنا تھا کہ اس مشکل کو بھی حل کرنے کے لیے بعض کمپنیاں جیسے اٹلس ہنڈا بیٹری سوپنگ ٹیکنالوجی پر کام کر رہی ہیں۔ اس کے ذریعے آپ بیٹری کو چارجنگ کے لیے سکوٹر سے نکال کر اوپر اپنے فلیٹ تک لے جا سکتے ہیں یا دوسری چارج شدہ بیٹری سے تبدیل کر سکتے ہیں۔

مگر یہ مزید مہنگی ہے اور 'ایک بیٹری کی لاگت ہی دو ڈھائی لاکھ روپے ہے۔'

ان کی رائے ہے کہ پاکستان میں قوت خرید محدود ہونے کی وجہ سے اگلے برسوں کے دوران گریفین بیٹریاں ہی موزوں رہیں گی۔

24 جون کو اٹلس ہنڈا نے اعلان کیا ہے کہ حکومتِ پاکستان کی نیشنل الیکٹرک وہیکل پالیسی کے تحت کمپنی رواں مالی سال کے دوران الیکٹرک سکوٹر متعارف کرانے کا ارادہ رکھتی ہے۔

اٹلس ہنڈا پاکستان کا سب سے بڑا موٹر سائیکل مینوفیکچرر ہے جس کے پاس سالانہ 15 لاکھ یونٹس بنانے کی صلاحیت ہے۔

اب جبکہ اٹلس ہنڈا ابھی الیکٹرک بائیک کی مارکیٹ میں آ رہا ہے تو ہم نے صابر شیخ سے پوچھا کہ پاکستان میں بائیکس کے مارکیٹ لیڈر کو ای وی کے شعبے میں آنے میں اتنی دیر کیوں لگی؟

انھوں نے بتایا کہ ہنڈا ایک جاپانی کمپنی ہے مگر ای ویز میں پاکستان یا دنیا بھر میں چین سے زیادہ تر ٹیکنالوجی آئی ہے۔ 'جاپانی اس میں چین سے پیچھے ہیں۔ اٹلس ہنڈا جو ماڈل متعارف کرائے گا وہ بھی چین میں ان کے پارٹنرز کے ساتھ مل کر بنایا جائے گا۔'

افغان ڈرائیوروں کا انوکھا حل۔ پانی بھر کر چلنے والی روف کولر ٹیکسی

بجلی کا بل نہیں، روزانہ دو بار پانی بھرنا پڑتا ہے۔ پھر بھی پوری گاڑی ٹھنڈی ہو جاتی ہے!

افغانستان میں سخت گرمی میں ٹیکسیوں کی چھتوں پر ایک ڈبہ رکھا ہوا نظر آتا ہے جس میں ایک بڑا سا پائپ بھی لگا ہوا ہوتا ہے۔

یہ دراصل ہاتھ سے بنائے گئے ایئر کولرز ہیں جنھیں ڈرائیورز شدید گرمی میں اپنی ٹیکسیوں کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

ان ٹیکسی ڈرائیوروں کا کہنا ہے کہ ملک کے جنوبی شہر قندھار میں اکثر درجہ حرارت 40 سینٹی گریڈ سے بھی تجاوز کر جاتا ہے اور ایسے میں ان کی گاڑیوں میں نصب ایئر کنڈیشنرز کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

عبدالباری نامی ٹیکسی ڈرائیور نے خبر رساں ادارے اے ایف پی کو بتایا کہ 'یہ انتظام (ہاتھ سے بنائے گئے ایئر کولرز) اے سی سے زیادہ بہتر کام کرتے ہیں۔'

'اے سی سے صرف کار کا اگلا حصہ ٹھنڈا رہتا ہے جبکہ یہ کولر پوری گاڑی میں ہوا پہنچاتا ہے۔'

خبر رساں ادارے کی ویڈیو میں عبدالباری کو ایئر کولر کے پائپ کو ٹیکسی کی کھڑکی کی اندر کی طرف چپکاتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے، جبکہ ایک دوسرا شخص گاڑی کی چھت پر اس ایئر کولر کو فکس کر رہا ہوتا ہے۔

عبدالباری کہتے ہیں کہ اس ایئر کولر کے ساتھ صرف ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس میں دن میں دو مرتبہ خود سے پانی بھرنا پڑتا ہے۔

'لیکن میرے لیے یہ بہترین کام کر رہا ہے۔'

افغانستان کا شمار دنیا کے غریب ترین ممالک میں ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ موسمیاتی تبدیلی سے بھی شدید متاثر ہو رہا ہے۔

حکومت نے انتباہ جاری کیا ہے کہ آئندہ ہفتوں میں ملک میں گرمی کی شدت مزید بڑھ سکتی ہے۔

قندھار میں گل محمد نامی ایک اور ٹیکسی ڈرائیور کہتے ہیں کہ انھوں نے چند برس قبل اس ایئر کولر کا استعمال شروع کیا تھا کیونکہ موسم شدید گرم 'ہو گیا تھا۔

32 سالہ ڈرائیور نے اے ایف پی کو بتایا کہ: 'ان کاروں کے اے سی کام نہیں کرتے اور ان کی مرمت پر بھی بہت خرچہ آتا ہے۔ میں ایک ٹیکنیشن کے پاس گیا اور اس سے یہ کولر بنوا لیا۔'

گل محمد نے یہ ایئر کولر بنوانے کے لیے 43 ڈالر خرچ کیے تھے۔ ان ٹیکسیوں کے مسافر بھی گاڑیوں میں آنے والی اس تبدیلی کو سراہ رہے ہیں۔

19 سالہ نور اللہ کچھ دنوں قبل گرمی کی شدت سے بیمار ہو گئے تھے۔

ان کا کہنا ہے کہ جب گاڑیوں میں کولر نہیں ہوتا تو ان میں سفر کرنا مشکل ہو جاتا ہے، میں تو اپنی جیب میں گرمی کا اثر کم کرنے والی دوائیں بھی لے کر سفر کرتا ہوں۔'

رواں برس اپریل سے جون تک کا وقت افغانستان کی تاریخ کا سب سے گرم ترین موسمِ بہار تھا۔

گذشتہ ہفتے اقوامِ متحدہ کی فوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن نے کہا تھا کہ افغانستان میں خشک سالی کے سبب فصلیں اور دیہاتی زندگی تباہ حالی کا شکار ہے۔

ماہرین نے خبردار کیا ہے کہ موسمیاتی تبدیلی کے مضر اثرات کے سبب افغانستان میں انسانی بحران شدت اختیار کرے گا۔

افغانستان میں طالبان کی حکومت کی آمد کے بعد اقوامِ متحدہ میں افغانستان کو موسمیاتی تبدیلی کے حوالے سے ہونے والے مذاکرات سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔

طالبان نے اگست 2021 میں کابل میں اقتدار پر قبضہ کیا تھا اور اس کے بعد ملک سے امریکی فوج کا انخلا عمل میں آیا تھا۔

ماہنامہ کرائم بیورو کراچی

کیا پلیٹ کا بڑا سائز آپ کو زیادہ کھانے پر مجبور کرسکتا ہے! ہمیں صحتمند رہنے کے لیے کتنا کھانے کی ضرورت ہے؟
اگر ہم پلیٹوں میں پیش کیے جانے والے کھانے کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ کچھ برسوں میں ہمارے کھانے کی اوسط مقدار میں اضافہ ہوا ہے۔
اگرچہ عام طور پر لوگ جانتے ہیں کہ اُن کے لیے کتنا کھانا کافی ہے،

کھانے کی ترغیب دیتا ہے۔
بی ڈی اے یعنی برٹش ڈائیٹک ایسوسی ایشن کی ترجمان اور خوراک کے ماہر کلیئر تھورنٹن وُڈ کا کہنا ہے کہ '1970 کی دہائی میں اوسط پلیٹ کا سائز 22 سینٹی میٹر تھی، اب یہ 28 سینٹی میٹر ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمارے کھانے میں بھی اضافہ ہوا ہے۔'
وہ مزید کہتی ہیں کہ 'اس کے علاوہ، ریستوراں بھی زیادہ کھانا پیش کر

بڑی پلیٹ، بڑا نوالہ؟ یا صرف دماغ کا دھوکہ

کم کھانے کا راز پلیٹ کے سائز میں چھپا ہے۔ صحتمند رہنے کے لیے 'کتنا' نہیں، 'کیسے' کھاتے ہیں، یہ زیادہ اہم ہے

لیکن وہ کھاتے وقت کتنا کھاتے ہیں اس کا انحصار بہت سے عوامل پر ہے۔
بی بی سی اردو کے فیچر اور تجزیے براہ راست اپنے فون پر ہمارے واٹس ایپ چینل سے حاصل کریں۔ بی بی سی اردو واٹس ایپ چینل فالو کرنے کے لیے کلک کریں۔

رہے ہیں۔ لوگ اس بارے میں الجھن کا شکار ہیں کہ کیا انھیں گھر میں بھی ایسا کرنا چاہیے۔'

ہمیں عام طور پر کتنا کھانا چاہیے؟

ہمارے کھانے کی مقدار کا انحصار بہت سی چیزوں پر ہوتا ہے، جیسا کہ

پروفیسر سٹبس کہتے ہیں کہ 'ہر شخص مختلف ہوتا ہے، اس لیے کھانے کی اوسط مقدار ہر ایک کی ضروریات کے لیے مناسب نہیں ہوتی۔ لیکن اگر لوگ اپنی ضرورت سے زیادہ کھاتے ہیں تو یہ ایک مسئلہ بن سکتا ہے۔'

زیادہ کھانے سے بچنے کے طریقے

وڈ کا کہنا ہے کہ 'بہت سے لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ہر کسی کو ایک جیسی خوراک کی ضرورت نہیں ہوتی۔'
'مثال کے طور پر اگر ایک خاندان کے افراد کو کھانا پیش کیا جا رہا ہے، تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک کو ایک ہی مقدار میں کھانا دیا جائے، بلکہ کھانا ان کی ضروریات کے مطابق دیا جانا چاہیے۔'
اس کے علاوہ کھانے کی مقدار کی پیمائش کے لیے چمچہ کا استعمال بھی صحیح طریقہ ہوسکتا ہے۔
ایک صحت مند غذا کا انحصار صرف اس بات پر نہیں کہ آپ کتنا کھاتے ہیں، بلکہ اس پر بھی کہ آپ کیا کھاتے ہیں۔
وڈ کا کہنا ہے کہ پروٹین یا فائبر سے بھرپور کھانا کھانے سے آپ طویل عرصے تک پیٹ بھرا ہوا محسوس کریں گے۔
انھوں نے کہا کہ پھلیاں اور سبزیوں کے ساتھ سوپ بھی بہت اچھے ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں پروٹین، فائبر اور پانی زیادہ ہوتا ہے۔
چکنائی میں کسی بھی دوسری غذا سے زیادہ کیلوریز ہوتی ہیں، اور یہ آپ کو کھانے کے دوران بھی مطمئن محسوس کرا سکتی ہے۔
انھوں نے کہا کہ زیتون کے تیل، مچھلی، گری دار میوے اور بیجوں جیسے کھانے سے صحت مند چکنائی بھی محدود مقدار میں استعمال کرنے کے لیے اچھی ہے۔
سٹبس عام طور پر انتہائی پروسسڈ کھانے سے بچنے کی سفارش کرتے ہیں۔ تاہم، ان کا خیال ہے کہ آپ کو اپنی پسندیدہ چیزوں کو ترک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
سٹبس نے کہا: 'ہماری خوراک کا 80 فیصد صحت مند، کم کیلوریز والی غذائیں ہو سکتی ہیں، اور بقیہ 20 فیصد ہماری پسندیدہ غذا یا زیادہ کیلوریز والی غذائیں ہو سکتی ہیں۔'
دونوں ماہرین کا کہنا ہے کہ اس بات کی فکر نہ کریں کہ آپ کتنا کھاتے ہیں، بس متوازن مقدار میں کھائیں اور صحت مند رہیں۔

ہمارے کھانے کی مقدار کا انحصار اس بات پر بھی ہے کہ ہم جس پلیٹ میں کھا رہے ہیں وہ کتنی بڑی ہے۔
اس کے علاوہ اگر ہمیں کھاتے وقت زیادہ کھانا پیش کیا جاتا ہے تو یہ بھی ہمارے زیادہ کھانے کی ایک وجہ ہے۔
بہت سے محققین نے اس بات کا مطالعہ کیا ہے کہ ہم کن حالات میں زیادہ کھاتے ہیں اور اس کا ہماری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

ہم کب کب زیادہ کھاتے ہیں؟

لیڈز یونیورسٹی میں بھوک اور توانائی کے توازن کے ماہر پروفیسر جیمز سٹبس بتاتے ہیں کہ 'جب لوگ اپنی ضرورت سے زیادہ کھاتے ہیں تو ان میں ایسی چیزیں کھانے کی عادت پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے جو صحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔ زیادہ مقدار میں ایسی خوراک کھانے کے بُرے نتائج ہو سکتے ہیں۔'
یہ ابھی تک واضح نہیں ہے کہ ہمارے زیادہ کھانے کی اصل وجہ کیا ہے۔ لیکن پرکشش مارکیٹنگ اور پری پیکڈ فوڈ پر ہمارا بڑھتا انحصار اس کی وجوہات میں شامل ہو سکتے ہیں۔
اس کے علاوہ ریستوران اور ہوٹلوں کی جانب سے 'ویلیو فارمنگ' کھانے کی پیشکش اور بڑی پلیٹوں میں کھانا پیش کرنا بھی ہمیں زیادہ کھانا

ہماری عمر، جنس، وزن، قد اور جسمانی سرگرمیاں وغیرہ۔
اگر آپ سخت کام کرتے ہیں یا سپورٹس مین ہیں تو آپ کو زیادہ کھانے کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر آپ دفتر میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں، یعنی آپ کی جسمانی سرگرمیاں زیادہ نہیں ہیں، تو آپ کو کم کھانے کی ضرورت ہوگی۔
وُڈ کے مطابق یہ اس بات پر بھی منحصر ہے کہ آپ دن بھر میں کتنی بار کھاتے ہیں اور کیا کھاتے ہیں۔
وہ کہتی ہیں کہ 'یہ سمجھنے کا ایک آسان طریقہ ہے کہ ہمیں کتنا کھانا چاہیے۔ درحقیقت ہم اسے اپنی ہتھیلی سے جان سکتے ہیں۔'
'آپ کی ہتھیلی کے برابر مٹن، آپ کے ہاتھ کے برابر چکن یا مچھلی، جتنی سبزیاں آپ دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر لے سکتے ہیں، آپ کے لیے اتنا ہی کھانا کافی ہے۔'
اس کے علاوہ وہ دن بھر مٹھی بھر کاربوہائیڈریٹس (آلو، چاول، پاستا وغیرہ) اور مٹھی بھر پھل کھانے کا مشورہ بھی دیتی ہیں۔
سٹبس کا کہنا ہے کہ صحت مند خواتین کو روزانہ تقریباً دو ہزار کیلوریز کی ضرورت ہوتی ہے اور مردوں کو تقریباً ڈھائی ہزار کیلوریز کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کی خوراک کی مقدار اسی بنیاد پر طے کی جاتی ہے۔

باپ ہوں... مجرم نہیں!

تحریر: زاہد علی شاہ

نثار احمد کے چہرے پر ایک مسلسل تھکن طاری ہے، جیسے برسوں کا بوجھ اس کی آنکھوں میں ٹھہر گیا ہو۔ مگر یہ تھکن جسمانی نہیں، جذباتی ہے — اُس باپ کی تھکن جو اپنے دو بچوں، ایک سات سالہ بیٹے اور چار سالہ بیٹی، کی جدائی سہہ رہا ہے۔ کراچی کے تھانہ مومن آباد کی حدود میں رہنے والا نثار، اپنے بچوں کے بغیر، ایک زندہ لاش کی مانند ہے۔

10 مارچ 2017 کو نثار احمد کا نکاح ہوا۔ ازدواجی زندگی کی ابتدا روایتی انداز میں ہوئی، مگر جلد ہی حالات نے رخ بدلا۔ بیوی ماہرہ کے اہل خانہ کی مداخلت بڑھتی گئی۔ روزمرہ زندگی میں تلخی، الزامات، اور شکایات کا سلسلہ عام ہونے لگا۔ نثار نے

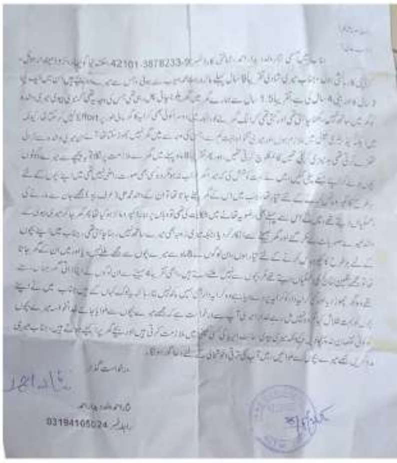

تعلقات بچانے کے لیے ہر وہ قدم اٹھایا جو ایک مشرقی شوہر اور باپ اٹھا سکتا ہے — صبر، خاموشی، سمجھوتہ۔ لیکن بسا اوقات خاموشی سب کچھ نہیں بچا پاتی۔

پھر وہ دن آیا، 7 جولائی 2024، جب نثار اپنے دونوں بچوں سے محروم کر دیا گیا۔ اُس کی غیر موجودگی میں ماہرہ نے گھر سے جانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ اکیلی نہیں گئی، ساتھ لے گئی نثار کی سانسیں — اس کا بیٹا، اس کی بیٹی۔ جاتے ہوئے صرف بچے نہیں لیے، بلکہ گھر کا تمام قیمتی سامان، آٹھ لاکھ روپے نقد اور زیورات بھی ساتھ لے گئی۔ گھر میں توڑ پھوڑ، گالم گلوچ، اور شدید دھمکیوں کی گواہی اُس مکان کی دیواریں دے سکتی ہیں۔

نثار نے فوری طور پر تھانہ مومن آباد میں تحریری شکایت درج کرائی۔ اُس کی درخواست میں سب کچھ درج ہے: بچوں کو زبردستی لے جانا، مالی نقصان، جذباتی بربادی۔ مگر قانون، جسے باپ کے آنسو نہیں دِکھتے، تا حال خاموش ہے۔ پولیس نے رسمی کارروائی سے آگے قدم نہیں بڑھایا۔ نثار روز

تھانے جاتا ہے، ہر بار وہی سناٹا۔

"ایک ماں اگر بچے لے جائے تو سب چپ رہتے ہیں، مگر ایک باپ فریاد کرے تو اُسے شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے" — نثار کی یہ فقرہ، ایک پورے معاشرتی رویے کی عکاسی کرتا ہے۔ بیوی کے جانے کے بعد، بچے نثار کے لیے صرف یادیں بن کر رہ گئے ہیں: اسکول کے یونیفارم، چھوٹے جوتے، تصویریں، اور وہ کھلونے جو کبھی ہنسی کی آوازوں سے بھرے ہوتے تھے۔

نثار کے دل میں ایک ہی خواہش ہے:

"میرے بچے واپس آ جائیں۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں صرف اُن کا باپ ہوں!"

یہ کہانی صرف نثار احمد کی نہیں، یہ ہر اس باپ کی کہانی ہے جو اپنے بچوں سے بچھڑتا ہے، مگر معاشرہ اُسے ظالم یا خاموش تماشائی سمجھتا ہے۔ باپ کو صرف خرچ اٹھانے والا، سخت گیر یا غیر جذباتی انسان تصور کیا جاتا ہے۔ مگر کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ جب اُس کے بچے چھن جائیں، تو اُس کا دل کیسے ٹوٹتا ہے، اس کی راتیں کس اذیت سے گزرتی ہیں۔

جب تک قانون صرف ایک طرفہ سچائی سنے گا، انصاف ادھورا رہے گا۔ نثار آج بھی اپنے بچوں کی واپسی کا منتظر ہے۔ اُس کی زندگی رک گئی ہے... وقت تھم گیا ہے... مگر وہ باپ اب بھی کھڑا ہے، امید کے سائے میں، انصاف کی دہلیز پر۔

اور جب کبھی اُس کے بچے بڑے ہو کر سوال کریں گے، "ابو آپ نے ہمیں واپس کیوں نہ لیا؟"

تو نثار چاہتا ہے کہ وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کر پورے یقین سے کہہ سکے:

"بیٹا، بیٹی... میں نے لڑائی لڑی، دن رات۔ میں ہارا نہیں... میں تمہارے لیے جیتنے نکلا تھا!"

ایک کروڑ ڈالر

دنیا کے سب سے مہنگے اور اصلی 'برکن' ہینڈ بیگ میں ایسا کیا خاص ہے؟

عالمی سطح پر 'برکن' نامی بیگز کو شہرت اور لگژری کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اب دنیا کا پہلا برکن بیگ ایک نیلامی میں ایک کروڑ ڈالر میں فروخت ہوا ہے۔ یہ نیلامی میں فروخت ہونے والا سب سے مہنگا ہینڈ بیگ بن گیا ہے۔

1985 میں یہ ہینڈ بیگ سیاہ چمڑے سے معروف گلوکارہ جین برکن کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

دراصل برکن ایک بار دوران پرواز لگژری فیشن ہاؤس ہرمس کے باس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ اپنا بیگ سنبھال نہیں پائی تھیں جس کی وجہ سے بیگ میں موجود تمام چیزیں گر گئی تھیں۔

بیگ سے چیزوں کے گر جانے کے بعد ساتھ بیٹھے فیشن ہاؤس کے مالک کو انھوں نے بس اتنا کہا تھا کہ 'آخر وہ بڑے بیگ کیوں نہیں بناتے؟'

گلوکارہ کے منھ سے ایسا سُننا تھا کہ صاحب نے فوراً سے جہاز میں بیٹھے بیٹھے سِک پیپر بیگ پر ہی نئے بیگ کا ڈیزائن بنا ڈالا۔ (سک بیگ ہوائی سفر کے دوران جہاز میں مسافروں کو ضروری لوازمات کے ساتھ فراہم کیا جاتا ہے تا کہ قے یا اُلٹی کی صورت میں اسے بوقتِ ضرورت استعمال کیا جا سکے۔)

تاہم جہاز میں تیار ہونے والے اُس ڈیزائن کردہ بیگ کو جمعرات کے روز پیرس کے سوتھبیز میں پرانی چیزیں جمع کرنے والے ایک جاپانی نے خریدا تھا، جو گذشتہ ریکارڈ فروخت سے 439،000 یورو سے کہیں زیادہ ہے۔

آکشن ہاؤس کا کہنا ہے کہ 'نوکلکٹرز' یعنی پرانی چیزیں جمع کرنے والے نوشوقین افراد کے درمیان 10 منٹ تک بولی لگانے کا دلچسپ مقابلہ دیکھنے کو ملا۔

بی بی سی اردو کے فیچر اور تجزیے براہ راست اپنے فون پر ہمارے واٹس ایپ چینل سے حاصل کریں۔ بی بی سی اردو واٹس ایپ چینل فالو کرنے کے لیے کلک کریں۔

سوتھبیز میں ہینڈ بیگز اور فیشن کی عالمی سربراہ مورگن حلیمی کا کہنا ہے کہ 'چمڑے سے بنا یہ بیگ اس وجہ سے قیمتی تھا کہ یہ ایک لیجنڈ سے منسوب تھا جس کی وجہ سے اسے حاصل کرنے کے شوقین افراد سامنے آئے، بولی کا ایک دلچسپ مقابلہ ہوا اور غیر معمولی قیمت میں اسے حاصل کیا گیا۔'

انھوں نے مزید کہا کہ 'برکن پروٹو ٹائپ بالکل وہی ہے، ایک غیر معمولی کہانی کا نقطہ آغاز جس نے ہمیں ایک جدید آئیکن، برکن بیگ، دنیا کا سب سے پسندیدہ ہینڈ بیگ دیا ہے۔'

اینگلو فرانسیسی گلوکار اور اداکارہ کے لیے بیگ بنانے کے بعد ہرمس نے بیگ کو کمرشل پروڈکشن میں دیگر لوگوں کے لیے بھی پیش کیا جس کے بعد اس بیگ کو فیشن کی دُنیا میں خاص اہمیت حاصل ہوئی اور یہ لگژری کی ایک علامت کے طور سامنے آیا۔

اس برینڈ کے کُچھ بیگز کی قیمتیں ہزاروں ڈالر ہے اور ان کے حصول کے لیے لوگ برسوں انتظار بھی کرتے ہیں۔ تاہم ان بیگز کے ساتھ منفرد انداز اور سٹائل میں نظر آنے والی مشہور شخصیات میں کیٹ موس، وکٹوریہ بیکھم اور جینیفر لوپیز کے نام شامل ہیں۔

اس اصلی بیگ میں کچھ انوکھی خصوصیات موجود ہیں جیسے فرنٹ فلیپ پر برکن کے ابتدائی حروف کا موجود ہونا، کندھے پر لٹکانے کے لیے ایک ایسی بیلٹ جسے اس سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور بیلٹ کے ساتھ لگا نیل کلپر۔

بیگ پر چند امدادی اداروں کے سٹیکرز بھی موجود ہیں جن کو وہ حمایت کیا کرتی تھیں، جیسا کہ ڈاکٹرز آف دی ورلڈ اور یونیسیف۔

2023 میں برکن 76 سال کی عمر میں وفات پا گئی تھیں۔ ایک دہائی تک یہ بیگ اُن کی ملکیت رہا۔ 1994 میں ایک ایڈز چیریٹی کے لیے فنڈز جمع کرنے کے دوران انھوں نے اسے فروخت کے لیے پیش کیا تا کہ اسے نیلام کر کے حاصل ہونے والی رقم کو عطیہ کیا جا سکے۔

بعد ازاں اسے پیرس میں لگژری بوتیک رکھنے والی کیتھرین بینیئر نے خرید لیا۔ یہ بیگ 25 سال تک ان کی ملکیت رہا اور اب جمعرات کو نیلام ہو گیا۔

سوتھبیز کا کہنا ہے کہ اس سے قبل سب سے مہنگے ہینڈ بیگ کا اعزاز 'وائٹ ہمالیہ نیلوٹیکس کروکڈائل ڈائمنڈ ریٹورن کیلی 28' کے پاس تھا جو 2021 میں فروخت ہوا تھا۔

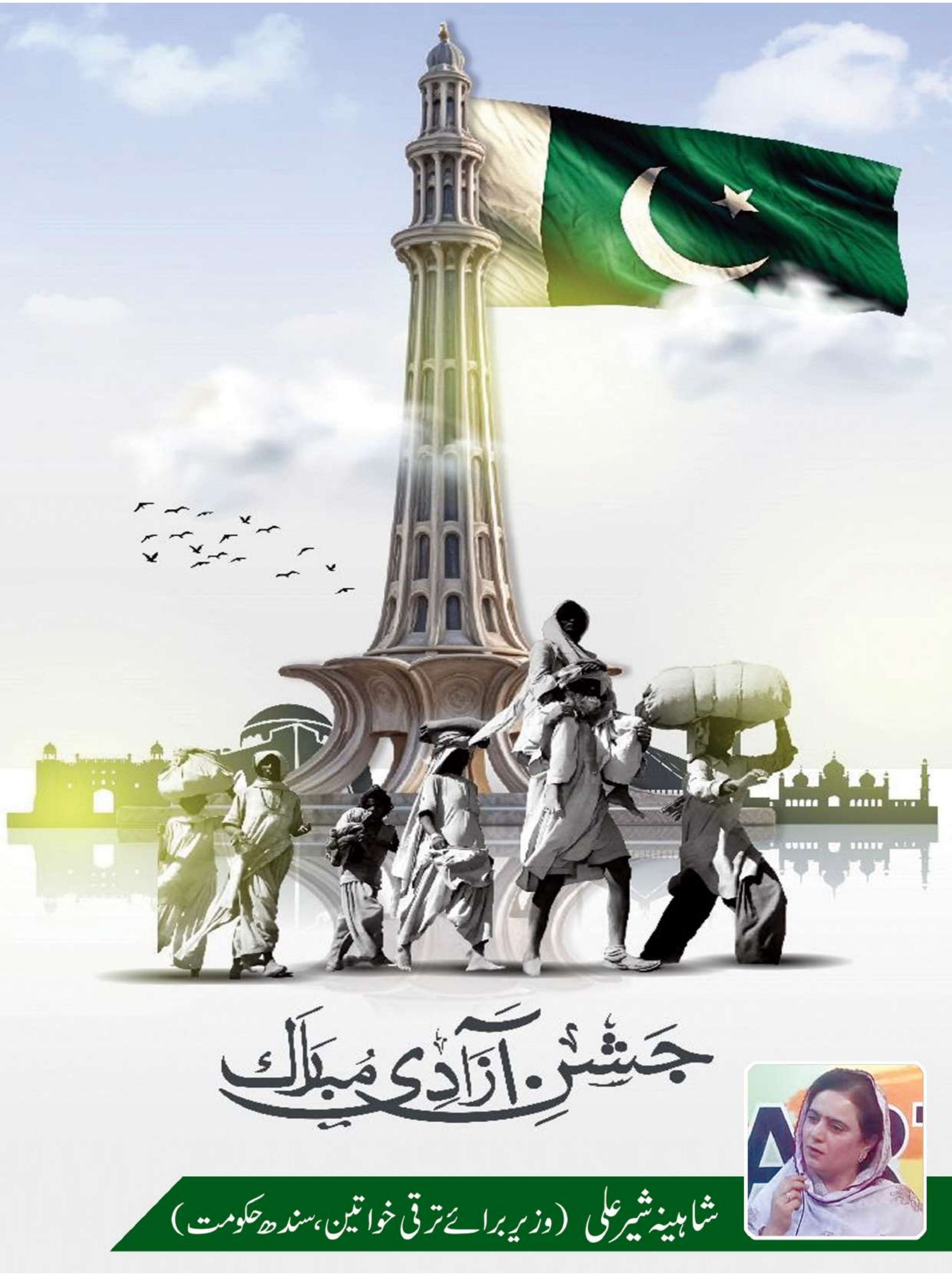
جشنِ آزادی مبارک
شاہینہ شیر علی (وزیر برائے ترقی خواتین، سندھ حکومت)

14TH AUGUST
جشن آزادی مبارک
عثمان غنی صدیقی ڈی آئی جی ریپڈ رسپانس فورس

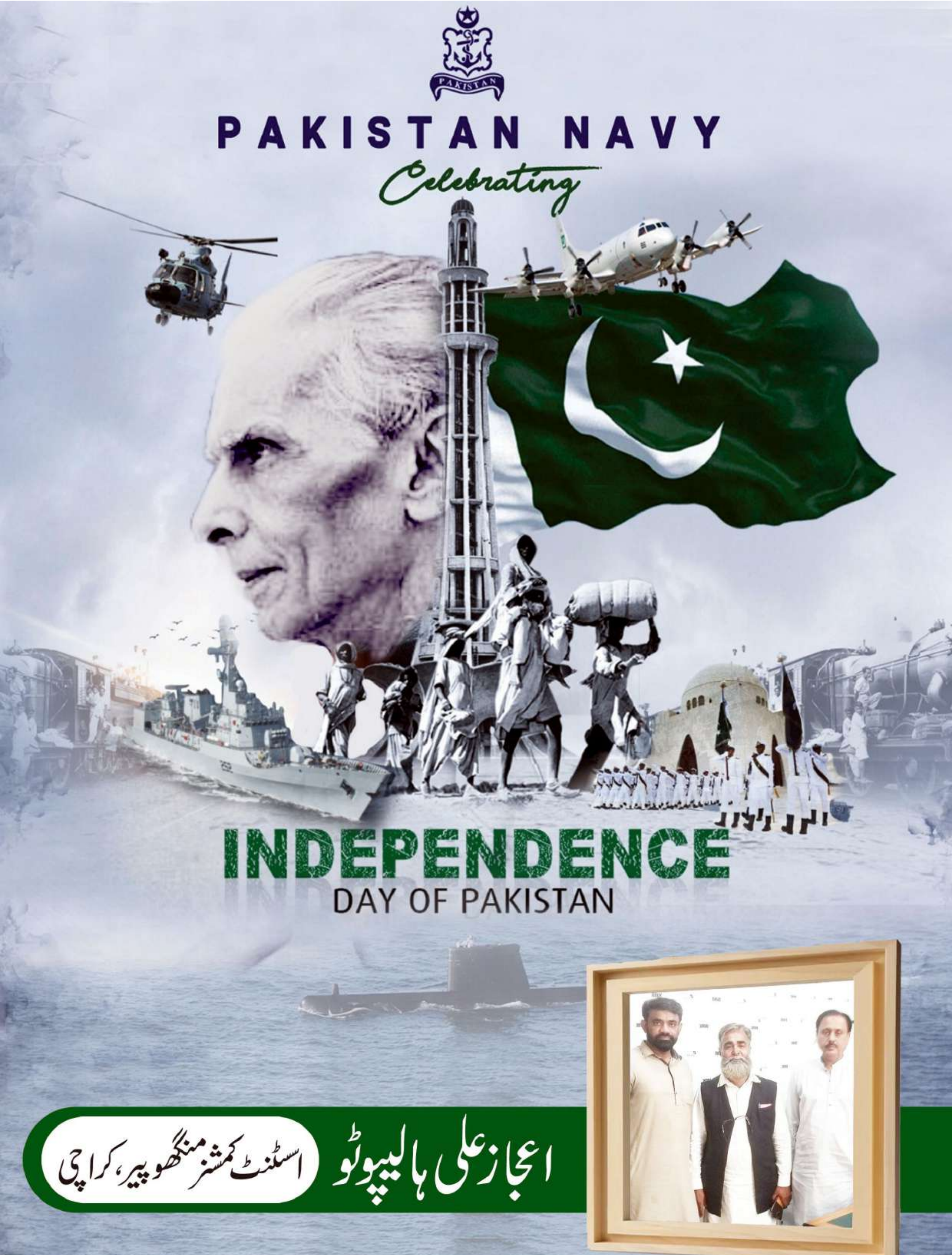
PAKISTAN
PAKISTAN NAVY
Celebrating
INDEPENDENCE
DAY OF PAKISTAN
اعجاز علی ہالیپوٹو
اسسٹنٹ کمشنر منگھوپیر، کراچی

جشن آزادی مبارک
14
AUGUST
HAPPY
INDEPENDENCE DAY
PAKISTAN
منجانب
سعدیہ حق
بیورو چیف
لاہور

INDEPENDENCE DAY
PAKISTAN
جشن آزادی مبارک
14
August
HAPPY INDEPENDENCE DAY
منجانب
ملیحہ عمران (انگلینڈ)
ہماری خاک سے خوشبو وطن کی آئے گی
ہمارا خون ہے شامل اِس وطن کی مٹی میں

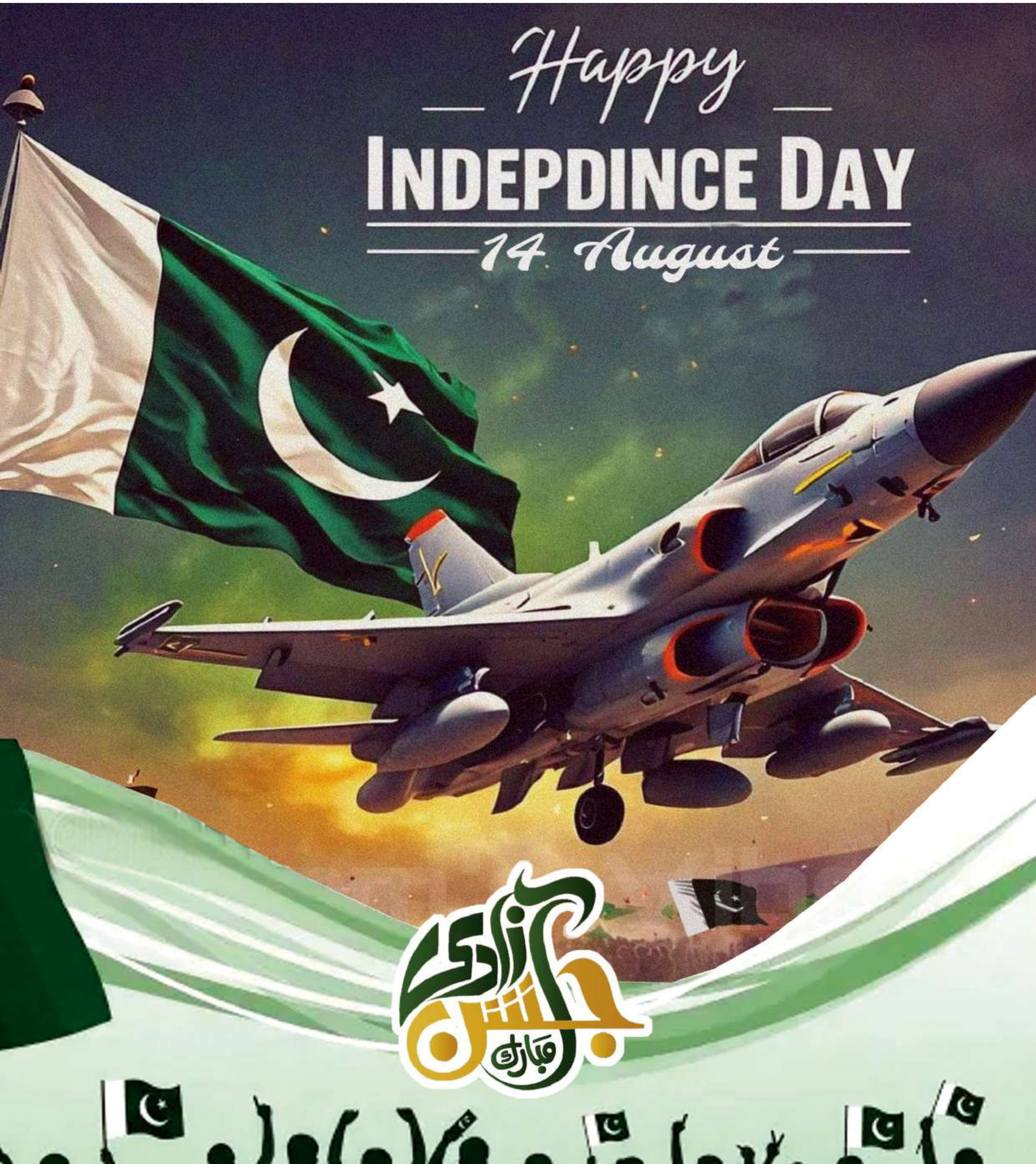

منجانب: چیئرمین/سیکریٹری (سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جامشورو)